طویل الاوقات علاقوں اور عام ممالک میں

اوقاتِ نماز



تالیف

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

طویل الاوقات علاقوں اور عام ممالک میں

اوقاتِ نماز



تالیف

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

مکتبہ کتاب و سنت ریحان چیمہ ڈسکہ

طویل الاوقات علاقوں اور عام ممالک میں

اوقاتِ نماز

تالیف
فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

اشاعت ـــــــــ فروری 2020ء

کمپوزنگ ـــــــــ عدنان قمر سلمہ اللہ

سیٹنگ ـــــــــ ابوسفیان عزیزی

مطبع

بیت السلام پرنٹنگ پریس
042-37141518, 0321-7351350

ناشر

مکتبہ کتاب وسنت
ریحان چیمہ۔ ڈسکہ

UMM UL QURA
سیالکوٹ روڈ، گوجرانوالہ 0321-6466422



طویلُ الاوقات علاقوں اور عام ممالک میں

اوقاتِ نماز

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهٗ، وَنَسْتَعِيْنُهٗ، وَنَسْتَغْفِرُهٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، أما بعد :

قارئینِ کرام ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نماز میں پابندیِ وقت کا حکم قرآن وسنت دونوں میں آیا ہے اور عدمِ پابندی پر سخت وعید بھی سنائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴾ [البقرة: ٤٣]

''اور نماز کو پابندی سے پڑھو اور زکات دو اور جھکنے والوں کے ساتھ جھکو۔''

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ [المنافقون: ٩]

''مسلمانو ایسا نہ ہو کہ تمھارے مال اور اولاد تمھیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل بنادیں اور جولوگ ایسا کریں گے (اللہ کو بھول جائیں گے) وہ بہت نقصان اٹھائیں گے۔''

قرآنِ کریم میں دورانِ جنگ بھی نماز ادا کرنے کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [البقرة: ٢٣٩]

''پھر اگر تم کو (دشمن کا یا اور کسی کا) ڈر ہو تو پیدل یا سوار رہ کر (جس طرح ہو سکے گو منہ قبلہ کی طرف نہ ہو پڑھ لو) اور جب ڈر نہ رہے تو جس طرح اللہ نے تمھیں سکھایا ہے جس کو تم (پہلے) نہیں جانتے تھے اللہ کی یاد کرو۔''

صلاۃ الخوف کا طریقہ ذکر کرنے کے بعد ایک جگہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴾ [النساء: ۱۰۳]

''پھر جب تم (خوف کی) نماز پڑھ چکو تو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے رہو پھر جب خاطر جمع ہو تو نماز کو درستی سے ادا کرو کیونکہ نماز مسلمانوں پر ہے بندھے وقتوں پر۔''

نیز ایک تیسرے مقام پر مسائلِ طلاق کے ضمن میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴾ [البقرۃ: ۲۳۸]

''تمام نمازوں کا اور بیچ والی نماز کا خیال رکھو اور اللہ کے سامنے چپکے ادب سے کھڑے رہو۔''

دوسری جگہ فرمایا ہے:

﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴾ [مریم: ۵۹]

''پھر ان کے بعد ایسے نالائق پیدا ہوئے جنھوں نے نماز کو تو گنوا دیا اور (دنیا کے) مزوں میں لگ گئے تو ان کی گمراہی ضرور ان کے سامنے آئے گی۔''

قرآنِ کریم کی طرح ہی کثرت سے احادیثِ شریفہ میں بھی نماز کی عدمِ پابندی اور نمازوں کی وقت بے وقت ادائیگی پر سخت وعیدیں آئی ہیں جن کے تذکرے سے بات طویل ہو جائے گی لہٰذا انہی اشارات پر اکتفا کرتے ہیں۔ بروقت نمازوں کی ادائیگی کیلئے

ہمیں نمازوں کے اوقات کا علم ہونا چاہیے، تاکہ ہم بروقت بلکہ افضل اوقات میں نمازیں ادا کرسکیں اور مؤذنین وائمہ مساجد بروقت اذان کا اہتمام کرسکیں۔ زیرِنظر کتاب میں انہی امور کی تفصیل ذکر کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے اس "بضاعة مزجاة" کو شرفِ قبول سے نوازے۔ اس کتاب کی طباعت واشاعت میں تعاون کرنے والے ہمارے معزز دوست اور سعودی عرب کے مشرقی صوبے کی معروف سماجی شخصیت جناب خواجہ عصمت امین صاحب اور ان کے دوست جناب شعیب صاحب کے ہم تہہ دل سے شکرگزار ہیں اور ان کے لیے دعا گو ہیں، جَزَاهُمَا اللّٰهُ خَيْراً وَبَارَكَ فِيْ اَهْلِهِمَا وَمَالِهِمَا وَحُسْنِ اَعْمَالِهِمَا، آمین

ہم عزیزم عدنان قمر سلمہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی دعا گو ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کتاب کی کمپوزنگ کی۔ جَزَاهُ اللّٰهُ خَيْراً وَوَفَّقَهٗ لِلْخَيْرِ كُلِّهٖ وَمَتَّعَهٗ بِالصِّحَّةِ وَالْعَافِيَةِ فِيْ النَّفْسِ وَالْأَهْلِ والْمَالِ، آمین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین

مترجم شرعی کورٹ الخبر

وداعیہ متعاون بمکاتب الجالیات

(دعوہ سنٹرز) الخبر والراکہ والدمام

سعودی عرب

بروز سوموار ۲۲۔۲۔۱۴۴۱ھ مطابق ۲۱۔۱۰۔۲۰۱۹ء

اَوقاتِ نماز

غسل وطہارت، وضواور تیمّم کا مسنون طریقہ اورتقریباً تمام متعلقہ ضروری مسائل تو آپ کے سامنے آچکے ہیں، لہٰذا اب آیئے اسی انداز سے قدر سے تفصیل کے ساتھ نماز کے فضائل ومسائل اور احکام کا سلسلہ بھی شروع کریں۔

اوقاتِ نمازِ پنج گانہ؛ قرآنِ کریم کی روشنی میں:

نماز کے احکام ومسائل میں سب سے پہلے اوقاتِ نماز کا موضوع آتا ہے، لہٰذا قرآن و سنت کی رو سے ان اوقات کی تعیین کر لینا ضروری ہے۔ قرآنِ کریم چونکہ اصولِ احکام کی کتاب ہے، لہٰذا اس میں پنج گانہ نمازوں کا بالترتیب اور نام بہ نام تو ذکر نہیں، لیکن متعدد مقامات پر نمازوں اور ان کے اوقات کی طرف اشارے کیے گئے ہیں۔ مثلاً سورت ہود (آیت: ۱۱۴) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ ﴾

”اور نماز قائم کرو، دن کے دونوں کناروں پر اور رات کی کچھ ساعتوں میں۔“

یہاں دن کے دونوں کناروں پر نماز قائم کرنے سے مراد نمازِ مغرب اور نمازِ فجر ادا کرنا ہے اور رات کی کچھ ساعتوں میں (یا کچھ رات گزارنے پر) نماز قائم کرنے سے عشا کو ادا کرنے کی طرف اشارہ ہے۔[1]

سورۃ الاسراء یا بنی اسرائیل جسے سورت سبحان بھی کہا جاتا ہے، اس میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيۡلِ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ اِنَّ قُرۡاٰنَ

[1] تفسیر ابن کثیر مترجم (۲/۵۵۵) طبع مکتبہ تعمیرِ انسانیت. لاہور

الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ [الإسراء: ٧٨]

''نماز قائم کرو اور سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک اور فجر کے وقت قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے کا بھی اہتمام کرو۔ (کیوں کہ) بے شک فجر کے وقت قرآن پڑھنے پر (اللہ کے فرشتے) گواہ بنتے ہیں۔''

اس آیت میں ظہر سے لے کر عصر، مغرب، عشا اور فجر پانچوں نمازیں ہی آجاتی ہیں۔[1] جب کہ تین نمازوں یعنی ظہر، عشا اور فجر کا تو نمایاں طور پر ذکر ہے۔ سورت طٰہٰ (آیت: ۱۳۰) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى﴾

''یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں، ان کی باتوں پر صبر کریں اور اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، سورج نکلتے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے اور رات کے کچھ اوقات میں بھی تسبیح کرو اور ان کی حدوں (یا کناروں) پر، شاید کہ تم راضی ہو جاؤ۔ (یعنی اس لیے کہ آپ آخرت میں اس کا ثواب پا کر خوش ہو جائیں)۔''

اس آیت میں پہلے فجر، عصر اور عشا، پھر فجر، ظہر، پھر فجر، ظہر اور مغرب پانچوں ہی نمازوں کے اوقات کا اجمالی تذکرہ آگیا ہے۔[2] ان آیات کے ساتھ ہی سورۃ الروم کی آیت (۱۷، ۱۸) کو بھی ملا کر پڑھا جائے تو نمازِ پنج گانہ کے اوقات کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ

[1] تفسیر ابن کثیر (٣/ ٢٤٩)

[2] تفسیر ابن کثیر (٢/ ٤٠٦، ٤٠٧)

وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴾

''پس اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے رہو، جس وقت کہ شام ہوتی ہے اور جس وقت کہ صبح ہوتی ہے اور وہی ہر قسم کی تعریف کے لائق ہے آسمان اور زمین میں اور اس کی پاکی بیان کرو، تیسرے پہر اور دوپہر کو۔''

علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ یہاں تسبیح سے مراد نماز ہے اور اس آیت میں پانچوں ہی نمازوں کا ذکر آ گیا ہے۔ امام رازی اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ صبح سے مراد نمازِ فجر ہے، شام سے مغرب وعشا، تیسرے پہر سے عصر اور دوپہر سے نمازِ ظہر مراد ہے۔[1]

ان آیات کے علاوہ بھی قرآنِ کریم کے کئی مقامات پر نمازوں کے ناموں اور اوقات کا اجمالی تذکرہ موجود ہے، مثلاً سورۃ الاسراء (آیت: ۷۹) میں اِرشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴾

''اور رات کو کسی وقت جاگ اٹھیں (تہجد کی نماز پڑھیں) یہ آپ ﷺ کے لیے نافلہ (زائد) ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ (اس کی برکت سے) آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو (قیامت کے دن) مقامِ محمود تک پہنچا دے۔''

اس آیت میں نمازِ تہجد کا ذکر ہے، اگر چہ یہ نماز نفلی نماز ہے اور نمازِ پنج گانہ میں یہ شمار نہیں ہوتی، جب کہ سورۃ الجمعہ (آیت: ۹) میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾

''اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب نماز کے لیے پکارا (اذان دی) جائے تو اللہ کے ذکر (نماز) کی طرف چل دو اور خرید وفروخت (کاروبار) چھوڑ دو۔

[1] دیکھیں: أشرف الحواشي يعنى فوائد سلفية (ص: ٤٨٦، حاشيه ٢)

یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم سمجھو۔''

اس آیت میں نمازِ جمعہ کا ذکر ہے، جب کہ ہر آٹھ دن میں ایک مرتبہ ہر عاقل و بالغ مسلمان پر باجماعت نمازِ جمعہ فرض ہے، جس کے بلا عذر ترک کرنے پر سخت وعید آئی ہے۔ سورۃ البقرہ (آیت: ۱۸۷) سورۃ الفجر (آیت: ۱) اور سورۃ القدر (آیت: ۵) میں نمازِ فجر کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ کی مذکورہ بالا آیت میں روزے کے احکام کے دوران میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ [البقرة: ۱۸۷]

''اور کھاتے پیتے رہو، یہاں تک کہ فجر (صبح) کی سفید دھاری رات کی کالی دھاری سے تم کو صاف دکھائی دینے لگے۔''

سورۃ الفجر کے شروع میں ہے:

﴿ وَالْفَجْرِ ① وَ لَيَالٍ عَشْرٍ ② وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴾ [الفجر: ۱ تا ۳]

''قسم ہے فجر کی۔ اور دس راتوں کی۔ اور جفت و طاق (یوم نحر اور یوم عرفہ) کی۔''

سورۃ القدر میں اسی مبارک رات کے فضائل بیان کرتے ہوئے آخری آیت میں فرمایا ہے:

﴿ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴾ [القدر: ۵]

''یہ شب امن و سلامتی والی ہے طلوعِ فجر (صبح نکلنے) تک۔''

اسی پر بس نہیں، بلکہ قرآنِ کریم کے دیگر کئی مقامات بھی ایسے ہیں، جہاں کسی نہ کسی انداز میں ان نمازوں کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً سورۃ النور (آیت: ۳۶ اور ۵۸) سورۃ الانعام (آیت: ۵۲) سورۃ الکہف (آیت: ۲۸) سورۃ الرعد (آیت: ۱۵) سورت قٓ (آیت: ۳۹) سورت یوسف (آیت: ۱۶) سورت آلِ عمران (آیت: ۳) سورت صٓ (آیت: ۱۸) سورۃ الغافر (آیت: ۵۵) اور سورت مریم (آیت: ۱۱) میں دیکھا جاسکتا ہے۔ سورۃ العصر کی پہلی

آیت میں ہے: ﴿ وَالْعَصْرِ ﴾ یہاں زمانے کے ساتھ نمازِ عصر بھی مراد ہے۔

قرآنِ کریم کے ان دس مقامات کا تھوڑی سی توجہ سے مطالعہ کیا جائے تو ہماری پنج گانہ نمازوں کے نہ صرف یہ کہ کسی حد تک نام مل جاتے ہیں، بلکہ ان کے اوقات کا بھی پتا چل جاتا ہے، جس کی تفصیل کتبِ تفسیر میں موجود ہے۔ مفسرینِ کرام نے ان آیات کی تفسیر میں نمازوں کے اوقات وغیرہ پر کس طرح استدلال کیا ہے اور ان کے قوی دلائل کون کون سے ہیں؟ اگر ان سب امور سے متعلقہ اقتباسات بھی ذکر کیے جائیں تو بات لمبی ہو جاتی ہے، لہٰذا ہم ان اشاروں ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

اوقاتِ نمازِ پنج گانہ؛ حدیث شریف کی روشنی میں:

قرآنِ کریم کے متعدد مقامات کے حوالے سے نمازِ پنج گانہ کے اوقات کا اجمالی سا تذکرہ ہو چکا ہے، جب کہ اس اجمال کی تفصیل نبیِ اکرم ﷺ نے اپنے ارشادات میں فرما دی ہے۔ ہر نماز کا نام، اس کا اوّل و آخر وقت اور دیگر مسائل بھی تعلیم فرمائے ہیں، جو آج کتبِ حدیث کے بیش بہا خزانوں کی شکل میں تقریباً ہر زبان میں ترجمے کے ساتھ موجود ہیں۔ ان میں سے سنن ترمذی، نسائی، دارقطنی، بیہقی، مسند احمد، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں ایک حدیث ہے، جس کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا ارشاد نقل کیا ہے:

"أَصَحُّ شَيْئٍ فِي الْمَوَاقِيْتِ حَدِيْثُ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ"[1]

''اوقاتِ نماز کی تعیین کے بارے میں صحیح ترین حدیث وہ ہے، جسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبیِ اکرم ﷺ سے بیان کیا ہے۔''

"قوت المغتذي" سے نقل کرتے ہوئے علامہ مبارکپوری نے "تحفة الأحوذي" میں امام ابن القطان کا قول ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ انصاری

[1] سنن الترمذي مع التحفة (١/ ٤٦٨) صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (١٢٨)

صحابی تھے اور مدینہ طیبہ ہی میں صحابی ہوئے تھے، جس رات نبیِ اکرم ﷺ کو اسرا و معراج کا سفر درپیش ہوا اور یہ نمازیں فرض کی گئیں، اس رات کی صبح کو (مکہ میں) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نہیں تھے، لہٰذا ضروری ہے کہ یہ حدیث مرسل ہو، یعنی انھوں نے کسی دوسرے صحابی سے سنی ہو اور اس کا واسطہ ذکر کیے بغیر بیان کی ہو۔[1]

لیکن صاحب ''الإمام'' کے بقول یہ جرح موثر نہیں، کیوں کہ اگر صحابی کا واسطہ ذکر نہ بھی ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عدول ہیں اور یہ بات تو بعید از قیاس ہے کہ انھوں نے کسی تابعی سے یہ حدیث سنی ہو۔ ایسی حدیث کا شمار مراسیلِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہوتا ہے، جس کی حجیت میں کوئی کلام نہیں۔ ''نصب الرایۃ'' میں ہے:

''قَالَ فِي الْإِمَامِ: وَهٰذَا الْمُرْسَلُ غَيْرُ ضَارٍّ، فَمِنْ أَبْعَدِ الْبُعْدِ أَنْ يَّكُوْنَ جَابِرٌ سَمِعَهٗ مِنْ تَابِعِيٍّ عَنْ صَحَابِيٍّ، وَقَدِ اشْتَهَرَ أَنَّ مَرَاسِيْلَ الصَّحَابَةِ مَقْبُوْلَةٌ وَجَهَالَةُ عَيْنِهِمْ غَيْرُ ضَارَّةٍ''[2]

''الامام میں ہے کہ یہ مرسل مضر نہیں ہے، کیوں کہ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث صحابی کے علاوہ کسی تابعی سے سنی ہو اور یہ بات عام ہے کہ مراسیلِ صحابہ رضی اللہ عنہم مقبول (حجت) ہیں اور ان میں سے کسی کی جہالت کوئی نقصان دہ نہیں ہے۔''

یہ حدیث ان مراسیل میں سے نہیں، جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں کہ ان میں محذوف راوی کے تابعی ہونے کا امکان ہوتا ہے، جن میں ضعیف بھی ہیں۔ غرض کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ امام بخاری کے مذکورہ قول کے علاوہ امام ترمذی اور حاکم نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔

[1] تحفة الأحوذي (١/ ٤٦٩) صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (١٢٨) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٤٩٠، ٥٠٠، ٥١٢) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٧٩، ٣٨٤، ٣٨٦) موارد الظمآن (٢٧٨)

[2] نصب الراية (١/ ٢٣)

امام ذہبی رحمہ اللہ نے "تلخيص المستدرك" میں امام حاکم کی موافقت کی ہے۔[1]

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس حدیث میں بیان فرماتے ہیں:

« إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَاءَهُ جِبْرِيلُ عليه السلام فَقَالَ لَهُ: قُمْ فَصَلِّهِ، فَصَلَّى الظُّهْرَ، حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ جَاءَهُ الْعَصْرَ فَقَالَ: قُمْ فَصَلِّهِ فَصَلَّى الْعَصْرَ، حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْئٍ مِثْلَهُ، ثُمَّ جَاءَهُ الْمَغْرِبَ فَقَالَ: قُمْ فَصَلِّهِ، فَصَلَّى الْمَغْرِبَ حِينَ وَجَبَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ جَاءَهُ الْعِشَاءَ فَقَالَ: قُمْ فَصَلِّهِ فَصَلَّى الْعِشَاءَ، حِينَ غَابَ الشَّفَقُ، ثُمَّ جَاءَهُ الْفَجْرَ، فَقَالَ: قُمْ فَصَلِّهِ، فَصَلَّى الْفَجْرَ حِينَ بَرَقَ أَوْ قَالَ: سَطَعَ الْفَجْرُ»

"نبیِ اکرم کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا: اُٹھیے نماز پڑھیے تو آپ ﷺ نے (ان کے ساتھ) ظہر کی نماز اس وقت پڑھی، جب کہ سورج سر سے ڈھل گیا، پھر وہ عصر کے وقت آئے اور فرمایا: اٹھیے نماز پڑھیے۔ تب آپ ﷺ نے عصر کی نماز اس وقت پڑھی، جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا تھا، پھر وہ مغرب کے وقت نازل ہوئے اور فرمایا: اُٹھیے نماز پڑھیے۔ آپ ﷺ نے نماز مغرب اس وقت ادا کی، جب سورج غروب ہوگیا۔ پھر وہ عشا کے وقت نازل ہوئے اور فرمایا: اُٹھیے نماز پڑھیے۔ تب آپ ﷺ نے نمازِ عشا اس وقت پڑھی، جب کہ شفق (غروبِ آفتاب کے بعد والی سرخی) غائب ہو چکی تھی۔ پھر جبرائیل علیہ السلام فجر کے وقت آئے اور فرمایا: اٹھیے نماز پڑھیے۔ آپ ﷺ نے فجر کی نماز اس وقت پڑھی، جب کہ فجر طلوع ہوئی۔"

اس طرح ایک دن کی پانچ نمازیں نبیِ اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ

---

[1] إرواء الغليل (١/ ٢٧٠، ٢٧١) و صححه.

ادا فرمائیں، جب کہ اسی حدیث کے اگلے حصے میں دوسرے دن کی پانچ نمازیں پڑھنے کا ذکر ہے، البتہ دوسرے دن کے اوقات مختلف ہیں۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«ثُمَّ جَاءَهُ مِنَ الْغَدِ لِلظُّهْرِ، فَقَالَ: قُمْ فَصَلِّهِ فَصَلَّى الظُّهْرَ حِيْنَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْئٍ مِثْلَهُ ثُمَّ جَاءَهُ الْعَصْرَ حِيْنَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْئٍ مِثْلَيْهِ، ثُمَّ جَاءَهُ الْمَغْرِبَ وَقْتاً وَّاحِداً، لَمْ يَزُلْ عَنْهُ، ثُمَّ جَاءَهُ الْعِشَآءَ حِيْنَ ذَهَبَ نِصْفُ اللَّيْلِ أَوْ قَالَ: ثُلُثُ اللَّيْلِ، فَصَلَّى الْعِشَاءَ، ثُمَّ جَآءَ حِيْنَ أَسْفَرَ جِدًّا فَقَالَ لَهُ: قُمْ فَصَلِّهِ، فَصَلَّى الْفَجْرَ، ثُمَّ قَالَ: مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ وَقْتٌ»[1]

''اگلے دن جبرائیل علیہ السلام ظہر کے لیے تشریف لائے اور فرمایا: اُٹھیے نماز پڑھیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ ظہر اس وقت پڑھی، جب کہ ہر چیز کا سایہ اس سے برابر ہو گیا۔ پھر وہ عصر کے لیے اسی وقت آئے، جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے دوگنا ہوگیا۔ پھر وہ مغرب کے لیے اس وقت آئے، جس وقت پہلے دن آئے تھے۔ اس کا وقت نہیں بدلا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نمازِ عشا کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، جب کہ نصف رات گزر گئی یا کہا کہ ایک تہائی رات گزر گئی، تب نمازِ عشا پڑھی، پھر وہ اس وقت آئے، جب فجر کی روشنی خوب پھیل چکی تھی اور فرمایا: اٹھیے نماز پڑھیے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر پڑھی۔ تب فرمایا: ان دونوں اوقات کے مابین ان نمازوں کا وقت ہے۔''

اس طرح حکمِ الٰہی سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو دن پانچوں وقت کی نماز پڑھا کر ان کے اوّل و آخر دونوں وقت بتا دیے کہ یہاں سے شروع ہو کر

[1] صحيح سنن الترمذي للألباني (١/ ٥٠) إرواء الغليل (١/ ٢٧٠، ٢٧١) المنتقى مع النيل (١/ ١/ ٣٥١، مصر)

یہاں تک نماز کا وقت ہے۔ اس حدیث کی رو سے تو نمازِ مغرب کا صرف ایک ہی وقت ہے۔ جب کہ صحیح مسلم و سنن ابی داود، نسائی، صحیح ابی عوانہ، سنن دارقطنی اور مسندِ احمد میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ مغرب کا بھی اوّل و آخر وقت ہے۔[1]

یعنی دوسری نمازوں کی طرح ہی نمازِ مغرب کو بھی ایک خاص وقت تک موخر کیا جاسکتا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی آدمی آیا اور اس نے نمازوں کے اوقات کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ دو دن پانچوں نمازیں اوّل و آخر اوقات میں پڑھائیں اور آخر میں فرمایا:

«أَلْوَقْتُ فِيْمَا بَيْنَ هٰذَيْنِ»

''ہر نماز کے ان دو وقتوں کے مابین ہی اس کا وقت ہے۔''

اسی حدیث میں دوسرے دن کی نمازوں کے اوقات کے سلسلے میں نمازِ مغرب کے بارے میں وہ فرماتے ہیں:

«ثُمَّ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰى كَانَ عِنْدَ سُقُوْطِ الشَّفَقِ»

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ مغرب میں اتنی تاخیر کی کہ مغرب کی سرخی (شفق) ختم ہونے والی تھی۔''

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

«فَصَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ أَنْ يَّغِيْبَ الشَّفَقُ»[2]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی سُرخی غائب ہونے سے پہلے مغرب کی نماز ادا فرمائی۔''

اسی مفہوم کی ایک حدیث صحیح مسلم، سنن اربعہ اور دیگر کتب میں حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ

---

[1] مختصر صحيح مسلم للمنذري، رقم الحديث (٢٠٦) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٨١) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٠٩)

[2] المنتقىٰ مع النيل (١/ ١/ ٣٥٩، ٣٦٠) إرواء الغليل (١/ ٢٧١)

سے اور صحیح مسلم، ابو داود، نسائی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے،[1] جو مغرب کے اوّل وآخر وقت کی دلیل ہے۔

نمازِ پنج گانہ کے اوقات سے متعلق بعض دیگر تفصیلات بھی ارشاداتِ رسول ﷺ سے ملتی ہیں، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب اور ان کا تذکرہ بھی کسی حد تک کر دیا جائے، تاکہ کوئی کوئی تشنگی باقی نہ رہے۔

نمازِ فجر:

نمازِ پنج گانہ کے اوقات کے سلسلے میں جو احادیث ذکر کی جا چکی ہیں، ان میں نمازِ فجر کا اوّل وقت یہ مذکور ہے کہ جب فجر (یا صبحِ صادق کا نور) طلوع ہو، پھر دوسرے دن کی نماز میں فجر کا آخری وقت یہ بتایا گیا ہے کہ جب فجر کی روشنی خوب پھیل جائے، تب تک نمازِ فجر ادا کی جاسکتی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

«وَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ»[2]

''صبح کی نماز کا وقت طلوعِ صبح صادق سے لے کر طلوعِ آفتاب تک ہے۔''

جب کہ صحیح بخاری ومسلم، صحیح ابی عوانہ، سنن ترمذی، نسائی، بیہقی، دارمی، مسندِ احمد اور موطا امام مالک اور معانی الآثار طحاوی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ»[3]

---

[1] صحيح مسلم مع شرح النووي (٢/ ٥/ ١٠٩، ١١٣، ١١٤، ١١٥) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٨٣) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٠٥، ٥٠٨) صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (١٣٠) مشكاة المصابيح (١/ ١٨٤) المنتقىٰ مع النيل (١/ ١/ ٣١٠)

[2] مختصر صحيح مسلم للمنذري، رقم الحديث (٢٠٥) مشكاة شريف (١/ ١٨٤)

[3] صحيح البخاري مع الفتح، رقم الحديث (٥٧٩) صحيح مسلم مع شرح النووي (٢/ ٥/ ١٠٤، ١٠٥) ←

''جو شخص طلوعِ آفتاب سے قبل فجر کی ایک رکعت پڑھ لے تو اس نے نمازِ فجر کو پالیا۔''

جب کہ بخاری شریف میں ارشادِ نبوی ﷺ کے یہ الفاظ بھی ہیں:

﴿ وَإِذَا أَدْرَكَ سَجْدَةً مِّنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ ﴾[1]

''جس نے طلوعِ آفتاب سے پہلے پہلے ایک سجدہ بھی کر لیا، پس اسے چاہیے کہ اب اپنی نماز مکمل پڑھ لے۔''

ان الفاظ میں سے ﴿ فَقَدْ أَدْرَكَ ﴾ اس کے بارے میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان الفاظ کا ظاہری معنیٰ مراد نہیں، کیوں کہ اس بات پر پوری امتِ اسلامیہ کا اجماع ہے کہ ایک رکعت کو پانے والا پوری نماز کو پانے والا نہیں کہ اسے صرف اسی ایک رکعت سے پوری نماز مل جائے اور اسے صرف ایک رکعت کافی ہو، بلکہ یہاں ان الفاظ کی تاویل کی گئی ہے اور یہاں بعض الفاظ کو محذوف تسلیم کیا گیا ہے، جو شامل ہوں تو اصل عبارت یوں ہو جاتی ہے:

''فَقَدْ أَدْرَكَ حُكْمَ الصَّلَاةِ أَوْ وُجُوْبَهَا أَوْ فَضْلَهَا''[2]

''اس نے نماز کے حکم کو یا وجوب کو یا (ادا کرنے کی) فضیلت کو پالیا۔''

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس عبارت کو ان الفاظ پر محمول کیا جائے گا:

''إِنَّهُ أَدْرَكَ الْوَقْتَ'' ''اس نے وقت کو پالیا۔''

فتح الباری میں حافظ عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ جمہور کا قول ہے۔[3]

← صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٤٧) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٠٣) و سنن الدارمي، رقم الحديث (١٢٢٢) مشكاة المصابيح (١/ ١٩) المنتقىٰ مع النيل (١/ ٢/ ٢٤) الإرواء (١/ ٢٧٣)

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٥٦)

[2] شرح صحيح مسلم للنووي (٣/ ٥/ ١٠٥)

[3] فتح الباري (٢/ ٥٦)

نسائی شریف میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ كُلَّهَا إِلَّا أَنَّهُ يَقْضِي مَا فَاتَهُ»

''اس شخص نے پوری نماز کو پالیا، البتہ بقیہ فوت شدہ نماز قضا (مکمل) کر لے گا۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ جس نے طلوعِ آفتاب سے پہلے ایک رکعت پڑھ لی اور بقیہ نماز کو طلوعِ آفتاب کے بعد پڑھ کر مکمّل کر لیا، اس کی نماز فوت نہیں ہوئی، جب کہ صحیح بخاری شریف اور دیگر کتب کے یہ سب الفاظ اس کی تائید کرتے ہیں۔

تاہم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر کسی کی نمازِ فجر کو ادا کرنے کے دوران میں اس پر سورج طلوع ہو جائے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔''[1]

انھوں نے دلیل کے طور پر وہ احادیث پیش کی ہیں، جن میں طلوعِ آفتاب کے وقت نماز ادا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ بعض نے تو یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ جواز والی احادیث منسوخ ہیں اور ممانعت والی ناسخ، لیکن صاحبِ فتح الباری لکھتے ہیں:

''یہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہے۔ محض کسی احتمال کی بنا پر ناسخ و منسوخ کے چکر میں نہیں پڑ جانا چاہیے۔ یہاں تو دونوں طرح کی احادیث میں جمع و تطبیق بھی ممکن ہے اور وہ اس طرح کہ جواز والی احادیث کو سبھی نمازوں پر اور ممانعت والی احادیث کو بلا سبب یعنی عام نفلی نمازوں پر محمول کیا جائے۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے امام شافعی، احمد بن حنبل، ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہم اللہ کا یہ مسلک لکھا ہے اور اسے ہی اصح الاقوال قرار دیا ہے۔''[2]

امام شوکانی رحمہ اللہ ''نیل الأوطار'' میں لکھتے ہیں:

---

[1] نیل الأوطار (۱/ ۲/ ۲۵)

[2] فتح الباري (۲/ ٥٦) و حاشیه الفتح (۲/ ٥۹)

''یہ طریقہ جمع و تطبیق بھی محض ان کے اپنے مذہب کے موافق ہے، جب کہ حق یہ ہے (یعنی حقیقی جمع و تطبیق یہ ہے) کہ ممانعت والی احادیث عام ہیں اور تمام نمازوں کو شامل ہیں۔ (فرض ہوں یا نفلی اور سببی ہوں یا بلا سبب) جب کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیثِ زیرِ بحث خاص ہے۔ لہٰذا عام کو خاص کے ساتھ مقید کیا جائے گا، لہٰذا اس وقت کوئی بھی نماز جائز نہیں، سوائے اس کے جسے کوئی دلیل خاص دے، وہ چاہے سببی ہو یا غیر سببی۔''[1]

امام شوکانی رحمہ اللہ نے جو تفصیل بیان کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جو حقیقی جمع و تطبیق ہے، اس کی رُو سے جس نماز کو کوئی حدیث خاص کر دے، وہ پڑھی جا سکتی ہے، دوسری نہیں، جب کہ طلوعِ آفتاب کے وقت ادا کرنے کے جواز کو صحیحین وسنن کی زیرِ بحث حدیث خاص کرتی ہے، لہٰذا اس کو اس وقت ادا کرنا جائز ہے اور بعینہٖ یہی معاملہ نمازِ عصر کا بھی ہے، جس کا اسی حدیث اور دیگر احادیث میں تذکرہ موجود ہے، مگر اس کے بارے میں اس کے موقع پر تفصیل ذکر کی جائے گی۔ إن شاء اللّٰہ.

صحیح مسلم، سنن نسائی، ابن ماجہ، بیہقی اور مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

﴿ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْعَصْرِ سَجْدَةً قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ أَوْ مِنَ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَهَا ﴾[2]

''جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے نمازِ عصر کا ایک سجدہ یا طلوعِ آفتاب سے پہلے نمازِ فجر کا ایک سجدہ بھی پا لیا تو اس نے نماز کو پا لیا۔''

---

[1] عون المعبود (٢/ ٨٣) و نیل الأوطار (٢/ ٢٥)

[2] صحیح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ١٠٥) الإرواء (١/ ٢٧٢) صحیح سنن النسائي، رقم الحدیث (٥٣٦) عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ، سنن ابن ماجه، رقم الحدیث (٧٠٠) لیکن اس میں ﴿ركعةً﴾ کے الفاظ ہیں۔ المنتقی مع النیل (١/ ٢/ ٢٤)

یہاں سجدے سے مراد بھی رکعت ہی ہے، جیسا کہ ''منتقى الأخبار''میں علامہ مجد الدین نے لکھا ہے اور علامہ خطابی رحمہ اللہ نے ''معالم السنن'' میں لکھا ہے:

''سجدے سے مراد رکوع و سجود سمیت پوری رکعت ہے اور رکعت مکمل ہی سجدوں کے ساتھ ہوتی ہے، لہٰذا اُسے سجدہ کہا گیا ہے۔''[1]

یہ آخری وقت محض مجبوری کی حالت میں ہے، ورنہ امام نووی نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ جان بوجھ کران اوقات تک نماز کو موخر کرنا جائز نہیں ہے۔[2]

یہ بھی اللہ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے۔ اگر کبھی بعض ناگزیر حالات اور مجبوری میں اوّل وقت گزر جائے تو اس کے بعد آخری وقت تک نماز پڑھ لی جائے، محض لیٹ ہو جانے کی بنا پر چھوڑ نہ دی جائے، لیکن مسنون اور افضل طریقہ یہی ہے کہ نمازِ فجر اور دیگر نمازیں ان کے اوّل وقت ہی میں ادا کی جائیں، کیوں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عملِ مبارک یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نمازیں ہمیشہ ہی اوّل وقت میں ادا فرمائی ہیں، سوائے ایک مرتبہ کے اور وہ بھی صرف جواز بتانے کے لیے تھا۔ چنانچہ سنن ترمذی اور مسند احمد میں ایک حدیث ہے، جس کی سند کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''وہ متصل نہیں، اور اسے حسن غریب کہا ہے۔ جب کہ وہی حدیث مستدرک حاکم میں بھی ہے اور ہے بھی موصولاً۔ امام حاکم نے اس کی سند کو صحیح بخاری و مسلم کی شرائطِ صحت کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔''[3] علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے، لہٰذا سنن ترمذی کی سند میں جو کمی تھی، وہ مستدرک حاکم والی سند سے پوری ہوگئی۔ اسے امام زیلعی رحمہ اللہ نے ''نصب الراية'' میں سنن دارقطنی اور بیہقی کی طرف بھی منسوب کیا ہے اور بعض محدّثین کا کلامِ جرح ذکر کیا ہے۔[4]

---

[1] فتح الباري (٢/ ٣٨) المنتقى مع النيل (١/ ٢/ ٢٥)

[2] دیکھیں: نيل الأوطار (١/ ٢/ ٢٢) طبع بيروت.

[3] تحقيق مشكاة المصابيح (١/ ١٩٣)

[4] نصب الراية (١/ ٢٤٤)

اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«مَا صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ صَلَاۃً لِوَقْتِھَا الْآخِرِ مَرَّتَیْنِ حَتّٰی قَبَضَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی»[1]

''نبیِ اکرم ﷺ نے کسی نماز کو اس کے آخری وقت میں دو مرتبہ ہرگز نہیں پڑھا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی روح کو اللہ تعالیٰ نے قبض کرلیا۔''

یعنی صرف مرتبہ بیانِ جواز کے لیے آخری وقت میں نماز پڑھی، پھر دوبارہ کبھی نہیں پڑھی۔

خاص نمازِ فجر کے بارے میں تو صحیح بخاری و مسلم، سنن اربعہ، دارمی، بیہقی، مسندِ احمد و طیالسی، معانی الآثار طحاوی، صحیح ابی عوانہ اور مصنّف ابن ابی شیبہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«کُنَّ نِسَآءُ الْمُؤْمِنَاتِ یَشْھَدْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ صَلَاۃَ الْفَجْرِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِھِنَّ ثُمَّ یَنْقَلِبْنَ إِلٰی بُیُوْتِھِنَّ حِیْنَ یَقْضِیْنَ الصَّلَاۃِ، لَا یَعْرِفُھُنَّ أَحَدٌ مِّنَ الْغَلَسِ»[2]

''مومن عورتیں یعنی صحابیات رضی اللہ عنہن اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی نبیِ اکرم ﷺ کی اقتدا میں نمازِ فجر ادا کرنے کے لیے آتی تھیں اور نماز ادا کر چکنے کے بعد جب وہ اپنے گھروں کو جاتیں، تو اتنا اندھیرا ہوتا تھا کہ انھیں کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔''

غلس یا اندھیرے ہی میں نمازِ فجر ادا کرنے کے مسنون ہونے پر دلالت کرنے

---

[1] سنن الترمذي مع التحفة (١/ ٥٢١، ٥٢٢) التلخيص (١/ ١/ ١٨٣) مشكاة المصابيح (١/ ١٩٣) نصب الراية (١/ ٢٤٤)

[2] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٥٤) صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٧٨) صحيح مسلم مع شرح النووي (٥/٢/ ١٤٣، ١٤٤) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٠٨) صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (١٣١) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٣١، ٥٣٢) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٦٦٩) و سنن الدارمي، رقم الحديث (١٢١٦) إرواء الغليل (١/ ٢٧٨)

والی ایک دوسری حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، چنانچہ صحیح بخاری، مسلم، ابی عوانہ، سنن نسائی و بیہقی، مسند احمد و طیالسی اور مصنّف ابن ابی شیبہ میں جہاں وہ نمازوں کے اوقات بیان فرماتے ہیں، وہیں وہ فرماتے ہیں:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيهَا بِغلَسٍ»[1]

''نبیِ اکرم ﷺ فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھا کرتے تھے۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے والے راوی فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یا تو یہ فرمایا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اندھیرے میں نمازِ فجر پڑھا کرتے تھے یا پھر یہ فرمایا کہ نبیِ اکرم ﷺ اندھیرے میں میں فجر پڑھا کرتے تھے۔

سنن ابی داود، دارقطنی، بیہقی، صحیح ابن حبان اور مستدرکِ حاکم میں حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

«وَصَلَّى الصُّبْحَ مَرَّةً بِغَلَسٍ، ثُمَّ صَلّٰى مَرَّةً أُخْرٰى فَأَسْفَرَ بِهَا، ثُمَّ كَانَتْ صَلَاتُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ التَّغْلِيسَ حَتّٰى مَاتَ وَلَمْ يَعُدْ إِلٰى أَنْ يُّسْفِرَ»[2]

''نبیِ اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ نمازِ فجر اندھیرے میں پڑھی اور پھر ایک مرتبہ روشنی میں، پھر آپ ﷺ ہمیشہ اندھیرے ہی میں پڑھتے رہے، یہاں تک کہ وفات پائی اور وفات پانے تک دوبارہ روشنی میں کبھی نہیں پڑھی۔''

خلفاے راشدین اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار سے بھی پتا چلتا ہے کہ وہ اندھیرے ہی میں فجر کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ و بیہقی اور معانی الآثار طحاوی

[1] صحيح مسلم مع شرح النووي (٢/ ٥/ ١٤٤) إرواء الغليل (١/ ٢٧٥)

[2] صحيح سنن أبي داود (١/ ٨٠) و حسنه الألباني، موارد الظمآن، رقم الحديث (٢٧٩) نصب الراية (١/ ٢٤٠) وقال في الإرواء (١/ ٢٧٠) وقال الحاكم: صحيح، و وافقه الذهبي، و صحيحه الخطابي، وحسنه النووي، وهو الصواب.

میں مغیث بن سمی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھی (جب کہ وہ روشنی پھیلنے پر پڑھتے تھے) جب وہ سلام پھیر چکے تو میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوا اور اُن سے کہا: یہ کیا نماز ہوئی؟ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"هٰذِهِ صَلَاتُنَا كَانَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ"

''نبیِ اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہماری فجر کی نماز اسی وقت ہوا کرتی تھی۔''

آگے فرماتے ہیں:

"فَلَمَّا طُعِنَ عُمَرُ، أَسْفَرَ بِهَا عُثْمَانُ"[1]

''جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو (نمازِ فجر کے دوران) زخمی کر دیا گیا تو اس کے بعد حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے روشنی میں نماز پڑھنا شروع کر دی۔''

یہاں اس بات کی وضاحت بھی کر دیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابتدائے خلافت میں روشنی ہوجانے پر نماز فجر پڑھی تھی، کیوں کہ حالات ہی کچھ ایسے تھے، جن میں حضرتِ فاروق رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا گیا، جن کی شہادت بھی اسی حادثے کے نتیجے میں رونما ہوئی اور زخمی کرنے والا بدبخت مسجد کے محراب ہی میں چھپا بیٹھا تھا۔ ان حالات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ مقرر ہوئے تو احتیاطاً کچھ عرصے کے لیے ذرا روشنی (اسفار) میں فجر پڑھنے لگے، لیکن جب حالات سُدھر گئے تو انھوں نے بھی معروف سنّتِ رسول ﷺ پر عمل کرتے ہوئے اندھیرے ہی میں نماز ادا کرنا شروع کر دیا، جس کا ثبوت مصنّف ابن ابی شیبہ میں مذکور دو آثار سے ملتا ہے، جن میں سے پہلے میں ابوسلمان (یزید بن عبدالملک) بیان کرتے ہیں:

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٦٧١) إرواء الغليل (١/ ٢٧٩) نصب الراية (١/ ٢٤٠)

"خَدِمْتُ الرَّكْبَ فِيْ زَمَانِ عُثْمَانَ فَكَانَ النَّاسُ يُغَلِّسُوْنَ بِالْفَجْرِ"[1]

''میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایک قافلے کی خدمت کی، وہ لوگ اندھیرے میں نمازِ فجر پڑھا کرتے تھے۔''

اس کی تائید اس اثر سے بھی ہوتی ہے، جسے عبداللہ بن ایاس اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، جس میں ایاس فرماتے ہیں:

"كُنَّا نُصَلِّيْ عُثْمَانَ الْفَجْرَ فَنَنْصَرِفُ وَمَا يَعْرِفُ بَعْضُنَا وُجُوْهَ بَعْضٍ"[2]

''ہم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نمازِ فجر پڑھا کرتے تھے، پھر جب (نماز کے بعد) ہم لوگ چلتے تو ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کے چہرے کو نہیں پہچان سکتا تھا۔''

ان اور ایسی ہی دیگر احادیث و آثار کے پیشِ نظر امام ترمذی رحمہ اللہ کے بقول صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اور کثیر صحابہ و تابعین کا یہی اختیار ہے کہ منہ اندھیرے ہی نمازِ فجر ادا کی جائے اور ائمہ میں سے امام شافعی، امام احمد، امام داود، امام ابو ثور اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ اندھیرے میں نمازِ فجر پڑھنا ہی مستحب فعل ہے۔[3]

امام ابن قدامہ نے "المغني" میں لکھا ہے کہ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھنا ہی افضل ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور اسحاق رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ وہ اندھیرے میں نمازِ فجر پڑھا کرتے تھے۔[4]

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة بحواله إرواء الغليل (١/ ٢٧٩)
[2] حواله سابقه أيضاً.
[3] سنن الترمذي مع التحفة (١/ ٤٧٤، ٤٧٥) بداية المجتهد (١/ ١٣٩، ١٤٠)
[4] المغني (٢/ ٤٤) التمهيد (٤/ ٣٤٠)

یہ محال ہے کہ وہ افضل فعل کو نہ کریں اور ادنیٰ کو اختیار کریں، جب کہ فضائل کو اختیار کرنا تو ان پر بس ہے۔ یہی بات "کتاب الاعتبار" میں امام حازمی نے بھی لکھی ہے، جسے دیگر علما کے علاوہ امام زیلعی حنفی رحمہ اللہ نے بھی "نصب الرایۃ" میں نقل کیا ہے۔[1]

امام حازمی رحمہ اللہ نے خلفاے ثلاثہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی بھی ذکر کیا ہے۔ ایسے ہی حضرت ابن مسعود، ابوموسیٰ اشعری، ابومسعود انصاری، عبداللہ بن زبیر، عائشہ اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے حضرت عمر بن عبدالعزیز اور عروہ بن زبیر رحمہما اللہ کا بھی یہی مسلک لکھا ہے کہ یہ سب اندھیرے میں نمازِ فجر پڑھنے کے قائل تھے۔

اس اندھیرے کا اندازہ کرنے کے لیے کتبِ حدیث میں ایک مادی وحسّی قسم کی دلیل بھی ہے، جس سے فجر کے مستحب وقت (غلس) کو سمجھنے میں کافی آسانی ہو جاتی ہے، چنانچہ بخاری ومسلم، سنن نسائی اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں، حضرت انس اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کا نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھانا مذکور ہو ہے، اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ سحری کھانے سے فراغت اور نماز شروع کرنے کے مابین کتنا وقت تھا تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«قَدْرُ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِيْنَ آيَةً»[2]

"اِتنا وقت تھا کہ جس میں کوئی شخص پچاس آیات کی تلاوت کرتا ہے۔"

اِس حدیث کی رو سے نمازِ فجر کا آغاز سحری کا کھانا بند کرنے کے بعد جلد ہی ہو جاتا ہے۔ صرف اتنا فرق کیا گیا ہے کہ جس میں کوئی پچاس آیتیں تلاوت کر سکے اور اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ سحری کھانے کے بعد تقریباً وضو کر سکنے کے بہ قدر وقت گزرنے کے بعد نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر ادا فرمائی۔ گویا طلوعِ فجر کے ساتھ ہی غلس اندھیرے میں نماز کا ادا کرنا

---

[1] دیکھیں: نصب الراية (١/ ٢٣٩، ٢٤٠) تحفة الأحوذي (١/ ٤٧٥)

[2] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٥٤) مختصر صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٨١) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٢٠٣٦) المنتقى مع النيل (٢/ ١٩)

ہی افضل ہے، اسی حدیث سے رمضان یا عام روزے کے لیے سحری سے امساک یا سحری کھانا بند کرنے کے وقت کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

وقتِ فجر کے سلسلے میں احناف کا مسلک:

نمازِ فجر کے سلسلے میں یہ تو جمہور ائمہ کا مسلک ہے، جب کہ امام ابو خلیفہ رحمہ اللہ روشنی ہو جانے پر نماز فجر پڑھنے کو افضل سمجھتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کے بقول کئی صحابہ و تابعین بھی اس کے قائل تھے اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[1]

ان کا استدلال سنن ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، معجم طبرانی کبیر، مصنف ابن ابی شیبہ، معانی الآثار طحاوی اور مسند احمد میں متعدد طُرق اور ملتے جلتے الفاظ سے مروی حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«اَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ»[2]

''صبح کی نماز روشنی میں پڑھو، کیوں کہ یہ زیادہ اجر والی ہے۔''

غلس میں نماز پڑھنے پر دلالت کرنے والی احادیث کے کئی جوابات دیے گئے ہیں، جو سبھی مخدوش ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ شروع اسلام میں اندھیرے میں نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ پھر یہ منسوخ ہوگیا، جیسا کہ معانی الآثار میں امام طحاوی نے لکھا ہے۔[3] لیکن یہ دراصل محض ایک دعویٰ ہے، جس کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ غلس میں نماز پڑھنے کی حدیث ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر مبارک کے آخری وقت تک اسی پر عمل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیر افضل

---

[1] سنن الترمذي مع التحفة (١/ ٤٧٩)

[2] سنن الترمذي مع التحفة (١/ ٤٧٨) الفتح الرباني (٢/ ٢٧٩) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٠٩) سنن (٥٣٤) سنن ابن ماجه (٦٧٢) و سنن الدارمي (١٢١٧) مشكاة المصابيح (١/ ١٩٤) الإرواء (١/ ٢٨١، ٢٨٣)

[3] نصب الراية (١/ ٢٣٩، ٢٤٠)

فعل پر ہیشگی نہیں کرتے تھے۔ اندھیرے میں نماز پڑھنے پر تا دمِ واپسیں ہیشگی کرنے پر دلالت کرنے والی احادیث ذکر کی جا چکی ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ کی عادت مبارک روشنی میں نماز پڑھنے کی تھی اور اس پر صحیح بخاری و مسلم میں مذکور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے، جس میں فرماتے ہیں:

«مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى صَلَاةً بِغَيْرِ مِيْقَاتِهَا إِلَّا صَلَاتَيْنِ، جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ، بِجَمْعٍ، وَصَلَّى الْفَجْرَ قَبْلَ مِيْقَاتِهَا»[1]

''میں نے نبیِ اکرم ﷺ کو دو نمازوں کے سوا بے وقت نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے مغرب و عشا کو مزدلفہ میں جمع کر کے پڑھا اور فجر کو اس کے وقت سے پہلے پڑھا۔''

یہاں آپ ﷺ کا نمازِ فجر کو عام ایام سے ذرا جلدی ادا کرنا مراد ہے، مگر یہ بھی نہیں کہ آپ ﷺ نے طلوعِ فجر سے بھی پہلے پڑھ لی، بلکہ آغازِ طلوع میں پڑھی گئی اور اس حدیث سے روشنی میں نماز ادا کرنے کو عام عادت شمار کرنے پر استدلال کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔[2]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ روشنی کر کے نماز ادا کرنے پر صحابہ کا اجماع ہو گیا تھا۔ اس بات پر حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول بطورِ دلیل پیش کیا جاتا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

''مَا اجْتَمَعَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى شَيْءٍ مَا اجْتَمَعُوْا عَلٰى التَّنْوِيْرِ''[3]

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الحج، باب من يصلي الفجر بجمع، صحيح مسلم كتاب الحج، باب استحباب زياده التغليس بصلاة الصبح يوم النحر، فتح الباري (٢/ ٥٥) المنتقىٰ (٢/ ١٩) تحفة الأحوذي (١/ ٤٧٩)

[2] فتح الباري (٢/ ٥٥) تحفة الأحوذي (١/ ٤٧٩)

[3] نصب الراية (١/ ٣٣٧، ٣٣٨)

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی معاملے میں اس طرح اکٹھے نہیں ہوئے، جس طرح وہ فجر کو روشنی میں پڑھنے پر اکٹھے ہوئے۔''

اجماعِ صحابہ کا یہ دعویٰ بھی باطل ہے، کیوں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں لکھا ہے کہ اندھیرے میں نماز فجر ادا کرنا کئی صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار ہے، جن میں صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔ امام ابن قدامہ کی "المغني" اور "التمهيد" کے حوالے سے ذکر کیا جا چکا ہے کہ علامہ ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ نبیِ اکرم رضی اللہ عنہم، ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم اندھیرے میں نماز فجر پڑھا کرتے تھے۔ "كتاب الاعتبار للحازمي" میں حضرت علی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی اندھیرے میں نمازِ فجر ادا کرنے کا ذکر ہے تو پھر روشنی پر صحابہ کے اجماع کے دعوے کی کیا حیثیت رہ گئی؟

اسی پر بس نہیں، بلکہ امام طحاوی حنفی نے "معاني الآثار" میں حضرت صدیق و فاروق اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کے آثار بھی ذکر کیے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اِسفار یعنی روشنی میں نہیں، بلکہ غلس (اندھیرے) میں نمازِ فجر پڑھتے تھے۔[1]

اس طرح اجماعِ صحابہ کے دعوے کا بطلان اور امام نخعی کے قول کا ضعف واضح ہو گیا ہے۔

جمع و تطبیق:

ان دونوں اقوال میں اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ نمازِ فجر کا وقت طلوعِ فجر ہی سے شروع ہو جاتا ہے اور غلس میں نماز پڑھ لینا جائز ہے اور اسفار میں بھی۔ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ ان دونوں اوقات میں سے افضل کون سا ہے؟ دلائل و براہین آپ کے سامنے آ چکے ہیں، جنھیں سامنے رکھنے پر بہ آسانی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اندھیرے میں نماز ادا کرنے کے افضل ہونے پر دلالت کرنے والی احادیث تعداد میں زیادہ اور

---

[1] معاني الآثار (ص: ١٠٤) بحواله تحفة الأحوذي (١/ ٤٨٠)

سند ومتن کے اعتبار سے صحیح تر اور قوی ہیں۔ علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ کے بقول اکثر اہلِ علم کا یہی مذہب ہے، جیسا کہ "تحفة الأحوذي"، میں انھوں نے بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اسفار والی حدیث بھی حدیث صحیح ہے، جس کے اہلِ علم نے متعدد جوابات دیے ہیں۔ امام ترمذی کے بقول امام شافعی، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ نے اِسفار کا معنیٰ یہ کیا ہے کہ طلوعِ فجر کا یقین کر لے، حتیٰ کہ اس میں کوئی شک نہ رہ جائے، مگر کئی روایات سے اس کی نفی ہوتی ہے۔[1]

ان ہر دو طرح کی احادیث میں جمع و تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ اِسفار سے مراد نمازِ فجر کا آغاز کرنا نہیں، بلکہ صحیح احادیث کی رو سے آغاز تو غلس ہی میں مسنون ہے، البتہ دونوں رکعتوں میں قراءت اتنی طویل ہو کہ نماز کا اختتام اسفار پر ہو۔ « أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ » اور ایسی ہی دیگر احادیث کے الفاظ سے یہی معنیٰ معلوم ہوتا ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے معانی الآثار میں اسی مفہوم کی تائید کی اور لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ، ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔[2]

اس تطبیق کا تائید کئی احادیث سے بھی ہوتی ہے، جن میں سے ایک صحیح بخاری اور مسلم، سنن ابو داود، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، مسندِ احمد، مصنف ابن ابی شیبہ اور معانی الآثار طحاوی میں حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

« كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَنْصَرِفُ مِنَ الصُّبْحِ فَيَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلٰى وَجْهِ جَلِيسِهِ الَّذِي يَعْرِفُهُ فَيَعْرِفُهُ »[3]

"نبی اکرم ﷺ نمازِ فجر سے اس وقت فارغ ہوتے کہ آدمی اپنے ساتھ والے جانے پہچانے آدمی کو دیکھتا تو پہچان سکتا تھا۔"

---

[1] دیکھیں: تحفة الأحوذي (١/ ٤٨١) نصب الراية (١/ ٢٣٩) الإرواء (١/ ٢٨٦، ٢٨٧)

[2] دیکھیں: تحفة الأحوذي (١/ ٤٨٢) إرواء الغليل (١/ ٢٨٧)

[3] صحيح البخاري مع الفتح، رقم الحديث (٥٤٧) صحيح مسلم مع شرح النووي (٢/ ٥/ ٤٥، ١٤٦) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٨٥) إرواء الغليل (١/ ٢٨٠)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دوسرے ساتھی کو پہچان سکنے والا وقت نماز سے فراغت کا ہے نہ کہ نماز کے آغاز کا۔ ایک دوسری حدیث سنن نسائی، مسند احمد اور مسند ابو یعلی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں پانچوں نمازوں کے اوقات مذکور ہیں، جن میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں پڑھا کرتے تھے اور نماز فجر کے سلسلے میں وہ فرماتے ہیں:

«وَالصُّبْحَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ إِلٰى أَنْ يَّنْفَسِحَ الْبَصَرُ»[1]

''اور صبح کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم طلوع فجر سے لے کر اس وقت تک ادا فرماتے، جب کافی دور تک چیزیں دیکھی جا سکتیں، یعنی روشنی پھیل جانے تک۔''

اس حدیث کے الفاظ بھی اس بات کی صریح دلیل ہیں کہ نماز کا آغاز تو اندھیرے میں ہی کرنا چاہیے، البتہ اس سے فراغت روشنی پھیل جانے پر ہو۔ «اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ» کا یہی معنیٰ ہے۔ امام طحاوی کے بقول امام ابو حنیفہ اور ان کے دونوں صاحبین کا بھی یہی مسلک ہے، جو سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق بھی ہے، پھر معلوم نہیں کہ متاخرین احناف نماز کا آغاز تاخیر سے کیوں کرتے ہیں؟ جب کہ "المبسوط للسرخسي"، میں بھی مذکور ہے:

"يُسْتَحَبُّ الْغَلَسُ وَتَعْجِيلُ الظُّهْرِ إِذَا اجْتَمَعَ النَّاسُ"[2]

''جب لوگ اکٹھے ہو جائیں تو فجر کو اندھیرے میں اور ظہر کو جلدی ادا کرنا مستحب ہے۔''

"العرف الشذي"، کے مولف نے "المبسوط"، کے یہ الفاظ ذکر کیے ہیں۔ معانی الآثار میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کا قول بھی یقیناً ان کی نظروں سے گزرا ہوگا اور صحیحین وسنن کی احادیث وآثار بھی سامنے ہوں گے، جن میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین

---

[1] صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٣٨) إرواء الغليل (١/ ٢٨٠) صححه الألباني و إسناد أبي يعلىٰ حسنه الهيثمي في مجمع الزوائد (١/ ٣٠٤)

[2] دیکھیں: تحفة الأحوذي (١/ ٤٨٣)

کا عمل مذکور ہے کہ وہ سب غلس میں نماز کے قائل و فاعل تھے۔ اس کے باوجود ان کا یہ کہنا کہ ترجیح احناف کے مذہب کو حاصل ہے محل نظرات ہے۔

البتہ اس کی انھوں نے جو دلیل دی ہے، وہ یہ ہے کہ غلس والی احادیث فعلی ہیں اور اسفار والی احادیث قولی ہے اور قولی و فعلی اختلاف کی شکل میں قول حدیث مقدم ہوتی ہے، لیکن اہلِ علم جانتے ہیں کہ یہ اصول صرف اس وقت اختیار کیا جاتا ہے، جب قولی و فعلی حدیث میں جمع و تطبیق ممکن ہی نہ ہو، جب کہ مسئلہ زیرِ بحث میں تو ایسا نہیں ہے، بلکہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے کہ ان ہر دو طرح کی احادیث میں موافقت ممکن ہے۔ کبار علمائے تحقیق میں سے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی "أعلام الموقعین" میں اسی موافقت کا ذکر کیا ہے کہ نماز کا آغاز غلس میں ہو اور اس کی تکمیل اِسفار میں، جیسا کہ نبیِ اکرم ﷺ کا عمل مبارک تھا۔ اس طرح آپ ﷺ کا ارشاد بھی آپ ﷺ کے عمل کے موافق ہوتا ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ کے بارے میں یہ گمان کیسے کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے کسی ایسے عمل پر مواظبت اور ہمیشگی کی ہو، جس میں اجرِ عظیم نہ ہو، بلکہ اجرِ عظیم اس خلاف عمل میں ہو۔[1]

اس ساری تفصیل سے نمازِ فجر کے وقت کی تعیین واضح ہوگئی اور خوب روشنی ہو جانے پر جماعت کھڑی کرنا افضل ہونا ثابت نہیں، بلکہ غلس یا اندھیرے میں جماعت کھڑی کرنا ہی افضل و اولیٰ ہے۔[2] واللّٰه ولي التوفیق.

نمازِ ظہر:

نمازِ ظہر کا وقت زوالِ آفتاب سے شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے، جب تک ہر چیز کا سایہ اس کے برابر یعنی ایک مثل نہ ہو جائے، جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام

---

[1] دیکھیں: تحفة الأحوذي (١/ ٤٨٢)

[2] دیکھیں: معالم السنن للخطابي (١/ ٢٤٤) سبل السلام (١/ ١٠٩) فقه السنة (١/ ١٠٤، ١٠٥) بداية المجتهد (١/ ١٣٩، ١٤٠) نيل الأوطار (١/ ٢/ ١٧، ٢٠)

والی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں پہلے دن کی نمازِ ظہر کے بارے میں مروی ہے:

«فَصَلَّی الظُّهْرَ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ»

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ ظہر اس وقت پڑھی، جب کہ سورج سر سے ڈھل گیا۔''

دوسرے دن کی نماز کے بارے میں مروی ہے:

«فَصَلَّی الظُّهْرَ حِيْنَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْئٍ مِثْلَهٗ»

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اس وقت پڑھی، جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے مثل یعنی اس کے برابر ہوگیا تھا۔''

عام حالات میں نمازِ ظہر ہو یا دیگر نمازیں، ان سب کا اوّل وقت میں ادا کرنا ہی افضل ہے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

«أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلٰی اللّٰهِ» ''اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟''

تو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«اَلصَّلَاةُ عَلٰی وَقْتِهَا»[1] ''نماز کو اس کے اول وقت میں ادا کرنا۔''

یہ تو عام حالات کا حکم ہے، البتہ شدید گرمی کے موسم میں نمازِ ظہر کو تھوڑی تاخیر کر کے ادا کرنا مستحب ہے، کیوں کہ صحیح بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

« كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ، بَكَّرَ بِالصَّلَاةِ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ»[2]

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح، رقم الحديث (٥٢٧) صحيح مسلم مع شرح النووي (١/ ٢/ ٧٣، ٧٤) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٤١١) و لكن عن أم فروة. صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (١٤٥) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٩٤) نيل الأوطار (١/ ٣٠٤) السلسلة الصحيحة، رقم الحديث (١٤٨٩)

[2] صحيح البخاري مع الفتح، رقم الحديث (٣٣_ ٥٣٤)

''جب سردی بہت سخت ہو جاتی تو نبیِ اکرم ﷺ نمازِ ظہر جلدی پڑھ لیتے اور جب گرمی شدید ہو جاتی تو نمازِ ظہر کو تھوڑی ٹھنڈی کر کے ادا فرماتے تھے۔''

اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم دونوں سے مروی ارشادِ نبوی ہے:

«إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوْا بِالصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ»[1]

''جب گرمی شدید ہو جائے تو نمازِ ظہر کو دوپہر کے ٹھنڈے ہو جانے پر ادا کرو، کیوں کہ گرمی کی یہ شدت جہنم کے (باہر کو) سانس نکالنے سے ہوتی ہے۔''

صحیح بخاری شریف ہی میں اس مفہوم کی ایک حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، جس میں فرمانِ نبوی:

«اَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فِيْحِ جَهَنَّمَ»

''نمازِ ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، کیوں کہ گرمی کی یہ شدت جہنم کے سانس لینے سے ہے۔''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ ایک سفر میں نبیِ اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ موذن نے ظہر کی اذان کہنا چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَبْرِدْ أَبْرِدْ» أَوْ قَالَ: «اِنْتَظِرْ اِنْتَظِرْ»

''ٹھنڈا کرو۔'' یا فرمایا: ''انتظار کرو، یعنی گرمی کم ہونے دو۔''

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے دو مرتبہ یہی حکم فرمایا:

«حَتّٰى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُوْلِ»

''یہاں تک کہ ہم نے دیکھا کہ ٹیلوں کا سایہ نظر آنے لگا ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کے سانس لینے سے ہے، لہٰذا جب

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ١٥)

گرمی شدید ہو جائے تو نمازِ ظہر کو ذرا ٹھنڈا کر لیا کرو، یعنی وقت سے ذرا موخر کر لیا کرو۔[1]
یہاں ٹھنڈا کرنے کا مطلب کچھ تاخیر کرنا ہے، مگر اس کا یہ مطلب بھی ہر گز نہیں کہ نماز کو اتنا موخر کر دیا جائے کہ اس پر عصر کا گمان ہونے لگے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''فتح الباري شرح صحیح البخاري'' میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کی حدود کے بارے میں ائمہ و علما کے مختلف اقوال ذکر کیے ہیں:

- کسی نے کہا ہے کہ زیادہ سے زیادہ کسی چیز کا سایہ اس کے ذاتی سائے کے علاوہ ایک ہاتھ ہو جائے۔
- کسی نے قد کا چوتھائی۔
- کسی نے ایک تہائی۔

امام مازری کے بقول ان میں سے مختلف اوقات و حالات میں مختلف حدود مراد لی جا سکتی ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ حدود نمازِ ظہر کے آخری وقت کو نہ جا پہنچیں کہ وہ ظہر کے بجائے عصر محسوس ہونے لگے (جیسا کہ ہمارے پاک و ہند میں عموماً دیکھنے میں آتا ہے)

گرمی کے ایام میں نمازِ ظہر کو تھوڑا تاخیر سے ادا کیا جائے اور عام حالات میں اسے اوّل وقت میں ادا کرنا ہی افضل ہے اور اس کا اوّل وقت سورج کا سر سے ڈھل جانا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام والی حدیث اور دیگر احادیث میں جو زوالِ آفتاب کے ساتھ ہی اوّل وقت کے آغاز اور کسی چیز کے سائے کے ایک مثل ہو جانے تک اس کے آخری وقت کا ذکر ہے، ان کے پیشِ نظر امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل اور عام محدّثین کرام رحمہم اللہ نے اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے دونوں شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کا بھی یہی مسلک ہے اور ایک روایت کی رو سے تو خود امام صاحب کا بھی یہی مسلک ہے، لیکن مشہور قول کے مطابق امام صاحب کا مسلک یہ ہے کہ ظہر کا وقت تب تک

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ١٨، ٢٠)

رہتا ہے، جب تک ہر چیز کا سایہ دوگنا نہ ہو جائے۔ ان کا استدلال حضرت انس و ابو ذر رضی اللہ عنہما سے مروی ان احادیث سے ہے، جن میں نمازِ ظہر کو ٹھنڈا کر کے ادا کرنے کا حکم ہے، مگر وہ روایات چونکہ مخصوص حالات اور صرف شدیدِ گرمی کے ایام کے بارے میں ہیں، لہٰذا ان سے اس مسئلے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ خود علماے احناف مثلاً حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری رحمہ اللہ نے "الكوكب الدري" میں لکھا ہے کہ احتیاط یہ ہے کہ ظہر کو ایک مثل سے پہلے پہلے ہی پڑھ لیا جائے۔[1]

نمازِ ظہر کو موسم گرما میں کتنا موخر کیا جا سکتا ہے؟ اس کا کچھ اندازہ سنن ابی داود ونسائی اور مستدرکِ حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہوتا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

«كَانَ قَدْرُ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الظُّهْرَ فِي الصَّيْفِ ثَلَاثَةَ أَقْدَامٍ إِلٰى خَمْسَةِ أَقْدَامٍ وَفِي الشِّتَاءِ خَمْسَةَ أَقْدَامٍ إِلٰى سَبْعَةِ أَقْدَامٍ»[2]

"نبیِ اکرم ﷺ کی نمازِ ظہر کا اندازہ یہ ہوتا ہے کہ گرمیوں میں انسان کا سایہ تین قدم سے لے کر پانچ قدم تک کے مابین ہوتا تھا اور موسم سرما میں پانچ سے سات قدم تک کے مابین ہوتا تھا۔"

امام سیوطی رحمہ اللہ اور علامہ سندھی نے حاشیہ سنن ابو داود ونسائی میں وضاحت فرمائی ہے کہ جس انسان کا سایہ دیکھنا ہو تو وہ اسی کے قد کاٹھ اور قدم کی لمبائی کے مطابق ہوگا اور اصل و زائد دونوں سایوں کا مجموعہ اتنا ہو، جب کہ اصلی سایہ (فئی) سے مراد وہ سایہ ہے جو سورج کے عین سر پر ہوتے اور عام طور عام پر مشاہدہ میں آنے والی بات بھی ہے کہ موسمِ سرما میں سایہ لمبا ہوتا ہے بنسبت گرما کے۔

---

[1] الكوكب الدري (١/ ٩٠،٩١) بحواله فقه السنّة اردو، محمد عاصم (١/ ١٠٧)

[2] سنن أبي داود مع العون (٢/ ٧٢، ٧٣) المشكاة مع المرعاة (٢/ ٣٧) صحيح سنن النسائی للالبانی حديث (٤٨٩)

امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مختلف اقالیم وممالک میں سائے کی یہ مقدار کم وبیش ہوتی ہے، کیوں کہ جن ممالک میں سورج جتنا بلند ہوگا، اتنا ہی وہاں سایہ کم ہوگا اور جہاں سورج جتنا سر سے دور ہوگا، وہاں سایہ لمبا ہوگا اور مکہ و مدینہ اقلیم ثانی میں شمار ہوتے ہیں اور سائے کی اس مقدار کا اندازہ بھی وہیں کا ہے اور دوسری اقالیم میں یہ کم وبیش ہوگا۔[1]

اور ہر ملک میں زوال معلوم کرنے کے لیے علامہ شمس الحق ڈیانوی رحمہ اللہ نے "عون المعبود شرح سنن أبي داؤد" میں ایک ضابطہ بھی وضع کیا ہے، جس کی تفصیل مذکورہ مقام پر دیکھی جا سکتی ہے۔ "المرقاۃ شرح المشكاة" میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے علامہ سبکی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ابو داود اور نسائی کی حدیث کے معنیٰ میں علما کے مابین اختلاف ہے اور میرے نزدیک اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم موسم گرما میں نمازِ ظہر کو اس کا آدھا وقت گزر جانے کے بعد ادا فرمایا کرتے تھے۔"[2]

اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ ان کے نزدیک نمازِ ظہر کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اتنا انتظار کیا جائے کہ کسی بھی چیز کا سایہ اس سے آدھا ہو جائے۔ بالفاظ دیگر چھے فٹ کی چیز کا سایہ تین فٹ ہو جائے، مگر یہ صرف انتہائی شدید گرمی کے دو تین ماہ کے لیے ہے۔ عام حالات میں نہیں۔

ظہر وعصر کا وقت معلوم کرنے کا طریقہ:

ظہر وعصر کا وقت معلوم کرنے کے بارے میں احادیث میں جو کسی چیز کے سائے کے ایک مثل یا دو مثل ہو جانے کا ذکر آتا ہے تو اس سے وقت معلوم کرنا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ آج اگرچہ گھڑی اور کیلنڈر کا زمانہ ہے۔ سایہ ناپنے کی کسے ضرورت ہوسکتی ہے؟ مگر درحقیقت کیلنڈروں پر جو اوقاتِ ظہر وعصر لکھتے ہیں، وہ بھی تو اسی طریقے سے وقت دیکھ

[1] عون المعبود (۲/ ۵۳)

[2] مصدر سابق.

دیکھ کر مہینوں اور سالوں کے تجربات کے نتائج ہی سے لکھے جاتے ہیں۔ بہرحال وقت دیکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ زوالِ آفتاب سے پہلے پہلے کسی کھلی اور ہموار جگہ پر کوئی لکڑی وغیرہ گاڑ دیں۔ اس لکڑی کا سایہ آہستہ آہستہ کم ہونا شروع ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ نصف النہار یعنی عین دوپہر کے وقت بالکل معمولی سا رہ جائے گا۔ یہ دراصل اس چیز کا اصل سایہ کہلاتا ہے۔ جب یہ سایہ دوسری جانب بڑھنا شروع ہو جائے تو وہ اس بات کی علامت ہے کہ زوالِ آفتاب شروع ہوگیا ہے یا بالفاظِ دیگر نماز کے اول وقت کا آغاز ہوگیا ہے۔ پھر جب یہ سایہ اس قدر بڑھ جائے کہ زوال کے وقت والا لکڑی کا اصل سایہ منہا کرنے کے بعد اس لکڑی کے برابر ہوگیا تو یہ ایک مثل وقت ہو جائے گا، جو نمازِ ظہر کا آخری وقت ہے، یعنی اس سے پہلے ظہر پڑھ لینی چاہیے۔

نمازِ عصر کا وقت اور ایک اشکال کا حل:

ایک مثل سے جب سایہ بڑھنا شروع ہوگا تو نمازِ عصر کا اوّل وقت شروع ہو جائے گا اور جب دوگنا یا دو مثل ہوگا تو جبرائیل علیہ السلام والی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی رُو سے یہ نمازِ عصر کا آخری وقت ہوگا۔

یہاں ایک اشکال یا شبہہ پیش آتا ہے، جو اس طرح ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دن جب نمازِ عصر پڑھی تو ہر چیز کا سایہ اس کے برابر یعنی ایک مثل تھا اور دوسرے دن جب ظہر کا آخری وقت دکھانے کے لیے نمازِ ظہر پڑھی، تو وہ بھی اسی وقت تھی، جب کہ سایہ ایک مثل تھا تو گویا دونوں نمازوں کے اوّل و آخر وقت میں اشتراک ہوگیا اور کوئی حد فاصل نہ ہوئی۔ امام نووی اور شوکانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اکثر اہلِ علم کے نزدیک نمازِ ظہر و عصر کے اوقات میں باہم کوئی اشتراک نہیں ہے، اس پر صحیح مسلم، سنن ابو داود، نسائی اور مسندِ احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے استدلال کیا گیا ہے، جس میں وہ بیان فرماتے ہیں:

”وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ، وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهِ مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ“[1]

”ظہر کا وقت زوالِ آفتاب سے لے کر آدمی کا سایہ اس کے برابر ہو جانے تک ہے، جب کہ ابھی ظہر نہ ہوئی ہو۔“

اس طرح «مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ» کے الفاظ نے مسئلہ واضح کر دیا کہ نمازِ ظہر و عصر کے اوقات میں کوئی اشتراک نہیں ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام والی حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کا جواب بھی دیا گیا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ ظہر سے اس وقت فارغ ہوگئے، جب کسی چیز کا سایہ اس کے برابر ہوا اور پہلے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت نمازِ عصر کا آغاز فرمایا، جب کسی چیز کا سایہ اس کی ایک مثل کے برابر تھا۔[2]

اس طرح دونوں نمازوں کے اوقات میں کوئی باہمی اشترک نہ رہا اور یہ شبہہ زائل ہوگیا۔ حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کی رُو سے نمازِ عصر کا آخری وقت کسی چیز کے سائے کا دو مثل ہو جانا ذکر ہوا ہے، جب کہ صحیح مسلم، سنن ابو داود، نسائی اور مسندِ احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«وَقْتُ صَلَاةِ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ»[3]

”نمازِ عصر کا وقت اس وقت تک ہے، جب تک سورج کا رنگ زرد نہ ہو جائے۔“

ایک دوسری روایت میں ہے:

«وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَيَسْقُطُ قَرْنُهَا الْأَوَّلُ»[4]

---

[1] صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ١١٢) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٨٣) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٠٨) النيل (١/ ١/ ٣٠٣)

[2] شرح صحيح مسلم للنووي (٣/ ٥/ ١١٠) نيل الأوطار (١/ ١/ ٢٠٢، ٣٠٣)

[3] صحيح مسلم مع شرح النووي (٢/ ٥/ ١١٢) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٨٣) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٠٨)

[4] صحيح مسلم مع شرح النووي (٢/ ٥/ ١١٣) مع النيل (١/ ١/ ٣٠٦)

''اور عصر کا وقت تب تک ہے، جب تک سورج کا رنگ زرد نہ پڑ جائے اور اس کا پہلا کنارہ (افق میں) نہ بیٹھ جائے۔''

صحیح بخاری و مسلم، صحیح ابی عوانہ، سنن ترمذی، نسائی، بیہقی، دارمی، مسندِ احمد، موطا امام مالک اور معانی الآثار طحاوی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

« وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ »[1]

''اور جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے نمازِ عصر کی ایک رکعت بھی پڑھ لی، اس نے عصر کی نماز پالی۔''

صحیح بخاری میں ارشادِ نبوی کے الفاظ ہیں:

« وَإِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِّنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ »[2]

''جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے ایک سجدہ بھی کر لیا، پس اسے چاہیے کہ اب اپنی نماز پوری کر لے۔''

جب کہ صحیح مسلم، سنن نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد، منتقیٰ ابن الجارود، سنن بیہقی اور معانی الآثار میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایک حدیث اسی مفہوم کی مروی ہے، جس میں ارشادِ نبوی ہے:

« مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْعَصْرِ سَجْدَةً قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ أَوْ مِنَ

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح، رقم الحديث (٥٧٩) صحيح مسلم مع شرح النووي (٢/ ٥/ ١٠٤، ١٠٥) صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٤٧) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٠٣) و سنن الدارمي، رقم الحديث (١٢٢٢) مشكاة المصابيح (١/ ١٩) المنتقىٰ مع النيل (١/ ٢/ ٢٤) الإرواء (١/ ٢٧٣)

[2] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٥٦)

الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَهَا»[1]

''جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے نمازِ عصر کا ایک سجدہ یا طلوعِ آفتاب سے پہلے نمازِ فجر کا ایک سجدہ کر لیا تو اس نے نماز کو پا لیا۔

ان الفاظ کے بارے میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا ظاہری معنیٰ مراد نہیں اور اس پر پوری امت کے علما کا اتفاق ہے کہ ایک رکعت کو پانے والا پوری نماز کو پانے والا نہیں کہ اسے صرف ایک ہی رکعت سے پوری نماز مل جائے اور وہی ایک رکعت اسے کافی ہو، ایسا ہرگز نہیں، بلکہ یہاں ان الفاظ کی تاویل ضروری ہے۔ مذکورہ الفاظ کے ساتھ ہی بعض دیگر الفاظ کو یہاں محذوف کیا گیا ہے، جنھیں شامل کرنے سے عبارت یوں ہوئی:

"فَقَدْ أَدْرَكَ حُكْمَ الصَّلَاةِ أَوْ وُجُوبَهَا أَوْ فَضْلَهَا"[2]

''اس نے نماز کے حکم کو یا وجوب کو یا (ادا کرنے کی) فضیلت کو پالیا۔''

یہ بھی کہا گیا ہے:

"إِنَّهُ أَدْرَكَ الْوَقْتَ" ''اس نے (اس نماز کے) وقت کو پا لیا۔''

شرح بخاری میں لکھا ہے کہ یہ جمہور کا قول ہے۔[3] نسائی شریف میں اس حدیث کے الفاظ ہیں:

«فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ كُلَّهَا إِلَّا أَنَّهُ يَقْضِي مَا فَاتَهُ»[4]

''اس شخص نے پوری نماز کو پالیا۔ البتہ وہ فوت شدہ نماز قضا (مکمل) کرلے گا۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے ایک رکعت پڑھ لی اور بقیہ رکعتیں غروبِ آفتاب کے بعد پڑھ کر نماز کو مکمل کر لیا، اس کی عصر

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة بحواله إرواء الغليل (١/ ٢٧٩)

[2] شرح صحيح مسلم مع النووي (٣/ ٥/ ١٠٥)

[3] فتح الباري (٢/ ٥٦)

[4] صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٤٤)

فوت نہیں ہوئی۔ الفاظ یہ ہیں:

«مَنْ صَلَّى رَكْعَةً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَصَلّٰى مَا بَقِيَ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ لَمْ تَفُتْهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ»[1]

''جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پڑھ لی اور باقی نماز (تین رکعتیں) غروبِ آفتاب کے بعد پڑھی (مکمّل کر لیں) تو اس کی نمازِ عصر فوت نہیں ہوئی۔''

نمازِ فجر کی طرح ہی جمہور ائمہ وفقہا کے نزدیک تو اس طرح نمازِ عصر صحیح ومکمل ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک اگرچہ یہ ہے کہ نمازِ عصر کا آخری وقت سورج کے زرد پڑ جانے تک ہے، جب کہ ان کے نزدیک بھی ایسی نماز، جس کے دوران ہی سورج غروب ہو جائے، وہ نماز باطل نہیں ہوتی۔[2]

یاد رہے کہ ان احادیث میں جو ایک سجدہ پا لینے کا ذکر ہے، اس سے مراد ایک رکعت ہے، جیسا کہ ''المنتقی'' میں علامہ المجد ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے اور علامہ خطابی رحمہ اللہ نے ''معالم السنن'' میں لکھا ہے کہ سجدے سے مراد رکوع وسجود سمیت پوری رکعت ہے اور ایک رکعت مکمّل ہی دوسرے سجدے سے ہوتی ہے۔ لہٰذا رکعت کو سجدہ کہا گیا ہے۔[3]

یاد رہے کہ غروبِ آفتاب کے وقت نمازِ عصر ادا کرنا محض مجبوری کی شکل میں ہے، ورنہ امام نووی رحمہ اللہ نے اس بات پر اجماع نقل ہے کہ جان بوجھ کر اس وقت نماز موخر کرنا جائز نہیں ہے۔[4]

بلکہ بلا عذر و مجبوری نمازِ عصر کو غروبِ آفتاب کے قریب تک موخر کرنا منافق کی نماز

---

[1] مسند أحمد (٢/ ٢٥٤) بحواله المعجم الفهرس لا الفاظ الحديث (٥/ ٢٠٥)

[2] شرح صحيح مسلم للنووي (٣/ ٥/ ١٠٦)

[3] فتح الباري (٢/ ٣٨) المنتقى (١/ ٢/ ٢٢)

[4] شرح صحيح مسلم للنووي (٣/ ٥/ ١٠٦) المنتقىٰ أيضاً (ص: ٣٠٨، ٢٢)

شمار کیا گیا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم، سنن ابو داود، ترمذی، نسائی، موطا امام مالک اور مسندِ احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

«تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ حَتَّىٰ إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعاً لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا»[1]

''یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا رہے اور سورج کا انتظار کرتا رہے۔ یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے مابین (ڈوبنے کے قریب) ہوتا ہے تو وہ اٹھتا ہے اور چار ٹھونگے مار لیتا ہے اور کم ہی اللہ کا ذکر کرتا ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلا عذر غروبِ آفتاب کے قریب تک نماز کو موخر کرنا مکروہ ہے اور ایسی نماز کو منافق کی نماز کہا گیا ہے، کیوں کہ وہ خشوع، خضوع اور سکون و اطمینان سے خالی نماز ادا کرے گا، جس میں مناسب ذکر الٰہی بھی نہیں کر پائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے آدمی کی مذمّت آئی ہے۔

نمازِ عصر کو جلدی ادا کرنا:

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عصر بہت جلدی ادا فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«كُنَّا نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الْعَصْرَ ثُمَّ تُنْحَرُ الْجَزُوْرُ فَتُقْسَمُ عَشْرَ قِسَمٍ ثُمَّ تُطْبَخُ فَنَأْكُلُ لَحْمًا نَضِيجًا قَبْلَ مَغِيبِ الشَّمْسِ»[2]

---

[1] صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (١٣٧) و صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٤٩٧) صحيح مسلم (٥٣/ ٣/ ١٢) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٩٩) صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (١٣٧) المغني (٢/ ١٦) المنتقى مع النيل (١/ ١/ ٣٠٧)

[2] صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ١٢٥) مختصر صحيح البخاري للألباني، رقم الحديث (١١٣٩) و المنتقى مع النيل (١/ ١/ ٣١٠) مشكاة المصابيح تحقيق الألباني، رقم الحديث (٦١٥)

''ہم نبیِ اکرم ﷺ کے ساتھ نمازِ عصر پڑھتے، پھر اونٹ ذبح کرتے اور اس کے گوشت کو دس حصوں میں تقسیم کرتے، پھر ہم گوشت پکاتے اور کھاتے، جب کہ ابھی سورج غروب نہ ہوا ہوتا۔''

ایک دوسری حدیث صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں وہ بیان فرماتے ہیں کہ ہمیں نبیِ اکرم ﷺ نے نمازِ عصر پڑھائی۔ تب آپ ﷺ کے پاس بنی سلمہ کا کوئی آدمی آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! ہم اونٹ ذبح کرنا چاہتے ہیں اور ہماری خواہش ہے کہ آپ ﷺ تشریف لائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ چل دیے۔ ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ہم نے دیکھا کہ ابھی اونٹ ذبح کیے گئے اور پھر (ہمارے پہنچنے پر) انھیں ذبح کیا گیا۔ انھیں کاٹا گیا، یعنی گوشت بنایا گیا، پھر ان کا گوشت پکایا گیا، پھر ہم نے وہ کھایا، جب کہ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا۔[1]

ان دونوں حدیثوں میں مذکور ہے کہ عصر کے بعد اونٹ ذبح کیے، گوشت کو بنایا پکایا اور کھایا، جب کہ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کتنی جلدی اوّل ہی وقت میں عصر ادا فرمایا کرتے تھے۔ نمازِ عصر جلدی ادا کرنے پر دلالت کرنے والی احادیث صحیح بھی ہیں اور صریح بھی۔ مثلاً صحیحین میں اور سنن ترمذی کے علاوہ سنن اربعہ میں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي الْعَصْرَ، وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِيْ فَيَأْتِيهِمْ، وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ»[2]

''نبیِ اکرم ﷺ نمازِ عصر اس وقت ادا فرماتے، جب کہ سورج ابھی بلند خوب

---

[1] صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ١٢٤) والمنتقى أيضاً (١/ ٣١٠)

[2] صحيح البخاري مع الفتح، رقم الحديث (٥٥٠) صحيح مسلم مع شرح النووي (٢/ ٥/ ١٢١) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٩١) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٣٩٣) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٦٨٢) سنن الدارمي، رقم الحديث (١٢٠٨)

روشن) ہوتا تھا اور جانے والا (عصر پڑھ کر) عوالی مدینہ کی طرف جاتا اور ان کے پاس پہنچ جاتا، جب کہ سورج ابھی بلند ہوتا تھا۔‘‘

بخاری شریف میں یہ الفاظ بھی ہیں:

’’وَبَعْضُ الْعَوَالِيُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى أَرْبَعَةِ أَمْيَالٍ أَوْ نَحْوِهٖ‘‘[1]

’’بعض عوالی مدینہ طیبہ سے چار میل یا اس سے کم وبیش کے فاصلے پر تھیں۔

یاد رہے کہ عوالی مدینہ سے مراد وہ دیہات یا بستیاں ہیں، جو مدینے کے مضافات میں نجد کی جانب واقع تھیں، جن میں سے بعض سنن دارقطنی کی حدیث کے مطابق چھے میل پر اور مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت کی رو سے دو میل پر تھیں، جب کہ قاضی عیاض، علامہ ابن عبدالبر اور امام ابن الاثیر رحمہم اللہ نے سب سے زیادہ مسافت والی بستی کو مدینے سے آٹھ میل کہا ہے۔[2] اس حدیث سے بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی جلدی نمازِ عصر پڑھ لیا کرتے تھے۔

مختلف احادیث میں تطبیق:

پچھلے اوراق میں ایک حدیث ذکر کی گئی ہے، جس کی رُو سے غروبِ آفتاب کے قریب تک تاخیر کر کے ادا کی جانے والی نماز کو ’’منافق کی نماز‘‘ قرار دیا گیا ہے اور اس کے بعد چند اور احادیث بھی ذکر کی گئی ہیں، جن میں منقول ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلدی نمازِ عصر پڑھا کرتے تھے اور ان میں سے پہلے کی احادیث میں سے ایک میں نمازِ عصر کا آخری وقت کسی چیز کے سائے کا دو مثل ہو جانا مذکور ہوا ہے۔ ایک دوسری روایت میں سورج کے زرد ہو جانے تک اور تیسری روایت میں سورج کا ایک کونا ڈوبنے تک اور ایک چوتھی روایت میں غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے کم از کم ایک رکعت پڑھ لینے تک ہے۔

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٢٨) المنتقى مع النيل (١/ ١/ ٣٠٩) صحيح مسلم (٣/ ٥/ ١٢١، ١٢٢)

[2] فتح الباري (٢/ ٢٨، ٢٩)

ان متعدد روایات میں مذکور مختلف تین شکلوں کا امکان ہے:

1 پہلی یہ کہ بعض کو ناسخ اور بعض دیگر کو منسوخ مانا جائے، مگر یہ شکل صرف اس صورت میں اپنائی جاسکتی ہے، جب کہ مختلف احادیث میں مطابقت ممکن نہ ہو اور یہاں مطابقت ممکن ہے۔

2 دوسری شکل یہ ہے کہ بعض احادیث کو راجح اور بعض دوسری احادیث کو مرجوح قرار دیا جائے، لیکن اس کی بھی یہاں ضرورت نہیں، بلکہ اس سے بھی اولیٰ یہ ہے کہ ان احادیث میں مطابقت پیدا کی جائے۔

3 اور یہ تیسری شکل ممکن بھی ہے، بلکہ اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں اور وہ یوں ہے کہ حدیث جبرائیل جس میں عصر کا وقت کسی چیز کا سایہ ایک مثل ہو جانے سے لے کر دو مثل ہو جانے تک بیان ہوا ہے، اس میں صرف ''وقتِ اختیار'' کا ذکر آیا ہے۔ اس حدیث میں ''وقتِ جواز'' اور ''وقتِ اضطرار'' یا مجبوری سب کا استیعاب نہیں کیا گیا، اس جمع و تطبیق کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں آخری وقت کی نماز کو منافق کی نماز کہا گیا ہے، جب کہ وہ معذور و مجبور نہ ہو، لیکن معذوری اور مجبوری والے کی نماز ایک رکعت پڑھ سکے تو گویا جو شخص معذور و مجبور ہو، اس کے لیے تو نمازِ عصر کا وقت اس حد تک ہے اور ایسا نہیں، اس کے لیے وقت صرف کسی چیز کے سائے کے دو مثل ہو جانے تک ہی ہے، جب کہ سورج ابھی سفید اور شفاف ہو اور اگر وہ بلا عذر ہی اسے سورج کے زرد ہونے تک یا اس سے بھی بعد تک موخر کر دے گا، تو پھر وہ منافق کی نماز ہو جائے گی۔[1]

اسی قسم کی مطابقت امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم شریف کی شرح میں بھی ذکر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک نمازِ عصر کے پانچ اوقات ہیں:

---

[1] نیل الأوطار (۱/ ۱/ ۳۰٦)

1. وقتِ فضیلت، جو نمازِ عصر کا اوّل وقت ہے۔
2. وقتِ اختیار، جو کسی چیز کا سایہ دوگنا ہو جانے تک ہے۔
3. وقتِ جواز بلا کراہت، جو سورج کے زرد پڑ جانے سے پہلے پہلے تک ہے۔
4. جواز مع الکراہۃ، جو سورج زرد پڑ جانے سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہے۔
5. وقتِ عذر، یہ وقت اس شخص کے لیے ہے جو سفر یا بارش کے عذر کی بیان پر نمازِ ظہر و عصر کو جمع کر کے ادا کرنا چاہے۔ (جب کہ جمع تقدیم ہوگی کہ نمازِ عصر کو مقدم کر کے، یعنی اس کے وقت سے پہلے نمازِ ظہر کے ساتھ اسی کے وقت میں اسے ادا کیا جائے)۔

ان پانچوں اوقات میں نماز ادا ہو گی۔ اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ہو، بلکہ سورج غروب ہو گیا ہو تو پھر وہ قضا ہو گی۔[1]

امام ابن قدامہ نے "المغني" میں لکھا ہے کہ جب کسی چیز کا سایہ دوگنا ہو جائے تو عصر کا وقتِ اختیار ختم ہو گیا اور صحیح تر روایت کی رو سے امام احمد رحمہ اللہ کا قول یہ نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک عصر کا آخری وقتِ اختیار سورج زرد ہونے تک ہے اور غروبِ آفتاب سے پہلے ایک رکعت پانا وقتِ اضطرار ہے۔[2]

نمازِ عصر کا اوّل وقت:

یہیں یہ بات بھی ذکر کر دیں کہ جمہور اہلِ علم کے نزدیک نمازِ عصر کا اوّل وقت کسی کے سائے کا ایک مثل ہو جانا ہے۔ امام احمد، امام مالک اور امام محمد رحمہم اللہ بھی ان میں شامل ہیں اور صحیح احادیث سے اسی مسلک اوّل کی تائید ہوتی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک بھی ایک مثل والا ہی ہے۔ البتہ وہ ایک مثل سے تھوڑا زیادہ سایہ ہو جانے کا اوّل وقت کہتے ہیں۔ قاضی ابو یوسف جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے معروف اور ارشد تلامذہ میں سے ہیں، ان کا

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووي (٣/ ٥/ ١١٠، ١١١)

[2] المغني (٢/ ١٥، ١٦)

مسلک بھی جمہور والا ہی ہے اور ایک روایت کے مطابق تو خود امام صاحب رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے، لیکن مشہور روایت کی رو سے امام صاحب کا مسلک یہ ہے کہ عصر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے، جب کسی چیز کا سایہ اس سے دو گنا ہو جائے۔[3]

اس قول کی تائید کسی حدیث سے نہیں ہوتی اور جو بعض روایات ملتی ہیں، وہ محدّثین کرام کے نزدیک ضعیف اور نا قابلِ حجت ہیں۔ چنانچہ سنن ترمذی میں امام صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ عصر کو موخر کر کے پڑھنے کے بارے میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث مروی ہے، مگر وہ صحیح نہیں۔[4]

ترمذی شریف کی شرح میں علامہ مبارکپوری نے وضاحت کی ہے کہ حضرت رافع رضی اللہ عنہ والی وہ حدیث سنن دارقطنی و بیہقی میں مروی ہے، جس کے بارے میں انھوں نے امام دارقطنی، بیہقی اور بخاری رحمہ اللہ کی شدید جرح بھی نقل کی ہے، لہٰذا وہ قابلِ حجت نہ ہوئی۔[3]

امام محمد رحمہ اللہ نے موطا میں لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک عصر کو موخر کر کے پڑھنا جلدی پڑھنے سے افضل ہے، جب کہ سورج ابھی سفید و شفاف ہو اور اس میں زردی داخل نہ ہوئی ہو۔ عام آثار میں یہی آیا ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ صاحبِ ہدایہ وغیرہ نے اس تاخیر کے افضل ہونے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس طرح نوافل زیادہ پڑھے جا سکتے ہیں۔

امام محمد رحمہ اللہ کے ان الفاظ اور اس وجہ پر تعاقب کرتے ہوئے علامہ عبد الحی حنفی لکھنوی رحمہ اللہ "التعليق الممجد علىٰ موطأ الإمام محمد رحمه الله" میں لکھتے ہیں کہ صحاح ستہ اور دیگر کتبِ حدیث میں ایسی احادیث مروی ہیں، جو نمازِ عصر کو جلد ادا کرنے کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ مذکورہ وجہ یا علّت صحیح نصوص کے مقابلے میں (ان کے خلاف) ہے۔

---

[1] الكواكب الدري (١/ ١٩٠) بحواله فقه السنة اردو (١/ ١٠٨)

[2] سنن الترمذي مع التحفة (١/ ٤٩٤)

[3] تحفة الأحوذي (١/ ٤٩٥)

علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ نے "البناية شرح الهداية" میں عصر کو تاخیر سے پڑھنے کی فضیلت پر چار روایات سے استدلال کیا ہے، جن میں سے ایک تو یہی ہے، جس کی طرف ابھی ہم نے اشارہ کیا ہے کہ وہ ضعیف ہے اور دوسری حدیث سنن ابو داود میں ہے، جس میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ مدینے میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تاخیر سے نمازِ عصر پڑھتے تھے، جب کہ اس حدیث کے ایک راوی یزید کو التقریب، الخلاصہ اور میزان الاعتدال میں مجہول کہا گیا ہے، لہٰذا یہ حدیث ضعیف اور نا قابلِ استدلال ہے۔[1]

تیسری حدیث سنن ترمذی میں اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔[2]

چوتھی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ علامہ عبد الحی حنفی رحمہ اللہ نے "التعليق الممجد" میں ان دونوں یعنی تیسری اور چوتھی حدیث کو بھی تاخیرِ عصر کی افضلیت کی دلیل ہونے میں صریح قرار نہیں دیا اور صحیح وصریح احادیث میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کو جلد پڑھنا ثابت ہے۔ ایسے ہی بعض دیگر روایات و آثار بھی ہیں، جو یا صحیح نہیں یا صریح نہیں۔ جس کی تفصیل "التعليق الممجد" یا "تحفة الأحوذي" (١/ ٤٩٤، ٥٠٢) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

وقتِ مغرب:

نمازِ فجر و ظہر اور عصر کے اوقات کے بارے میں تفصیل ذکر کی جا چکی ہے اور اب آیئے وقتِ مغرب بھی دیکھیں تو نمازِ مغرب کا اوّل وقت اور آخر وقت حدیثِ جبرائیل میں تو غروبِ آفتاب ہی ہے، کیوں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں دن ایک ہی وقت پر نمازِ مغرب ادا کی تھی، جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے، لیکن جیسا کہ یہ بات بھی ذکر کی جا چکی ہے کہ اس حدیث میں صرف ''وقتِ اختیار'' کا بیان ہے۔ وقتِ جواز اور

[1] دیکھیں: تحفة الأحوذي (١/ ٤٩٥)

[2] سنن الترمذي مع التحفة (١/ ٤٩٨)

وقتِ اضطرار اس میں شامل نہیں، جس کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ صحیح مسلم، سنن ابو داود، نسائی اور مسندِ احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ پنج گانہ کے جو اوقات ذکر فرمائے ہیں، وہاں نمازِ مغرب کے بارے میں ارشادِ نبوی ہے:

«وَوَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ»[1]

''نمازِ مغرب کا وقت اس وقت تک ہے، جب تک شفق غائب نہ ہو جائے۔''

ایسے ہی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث صحیح مسلم، سنن ابی داود، نسائی، صحیح ابی عوانہ، سنن دارقطنی اور مسند احمد میں ہے۔ اس میں بھی نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو دو دن کی نمازیں پڑھ کر بتائی تھیں اور ہر نماز کے دو یعنی اوّل و آخر وقت بتائے تھے۔ اس حدیث میں بھی نمازِ مغرب کے آخری وقت کے بارے میں وضاحت موجود ہے کہ دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آخری وقت میں ادا فرمایا تھا۔ چنانچہ اس حدیث میں ہے:

«ثُمَّ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰى كَانَ عِنْدَ سُقُوطِ الشَّفَقِ»[2]

'' پھر (دوسرے دن) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کو اتنا موخر کر دیا کہ شفق غائب ہونے کے قریب پڑھی۔''

شفق اس سُرخی کو کہتے ہیں، جو غروبِ آفتاب کے بعد کچھ وقت کے لیے آسمان پر باقی رہتی ہے۔ اس کے بارے میں ایک حدیث بھی ہے، جو سنن دارقطنی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

---

[1] صحيح مسلم (٢/ ٥/ ١٢) المشكاة مع المرعاة (٢/ ١٧) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٨٣) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٠٨)

[2] صحيح مسلم مع شرح النووي (٢/ ٥/ ١١٦) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٨١) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٠٩)

«اَلشَّفَقُ الْحُمْرَةُ»[1] ''شفق سرخی ہے۔''

یہ حدیث امام بیہقی نے اپنی سنن میں بھی روایت کی ہے اور مرفوع کے بجائے اس کا موقوف ہونا صحیح قرار دیا ہے کہ یہ نبیِ اکرم ﷺ کا ارشاد نہیں، بلکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

نیز امام بیہقی نے کہا ہے کہ حدیثِ ابن عباس عبادہ بن صامت، شداد بن اوس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی (مرفوعاً) مروی ہے، مگر ان میں سے کوئی روایت بھی صحیح نہیں گویا یہ حدیث مرفوعاً ضعیف اور موقوفاً صحیح ہے۔

مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، امام عطاء، مجاہد، سعید بن جبیر، شافعی، ابن ابی لیلیٰ، ثوری، اسحاق بن راہویہ، زہری، ابو یوسف اور محمد رحمہم اللہ شفق سے سرخی ہی مراد لیتے ہیں۔

ائمہ لغت میں سے خلیل بن احمد اور فرّاء کا بھی یہی قول ہے اور ''القاموس المحیط'' میں علامہ فیروز آبادی نے بھی شفق کا معنیٰ صرف سرخی ہی لکھا ہے۔

امیر صنعانی نے ''سبل السلام'' میں لکھا ہے کہ شفق کے معنیٰ کی بحث لغوی ہے اور اس میں رجوع اہلِ لغت کی طرف ہی جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اہلِ لغت تھے، لہٰذا ان کا کلام اگرچہ موقوف ہے، لیکن حجت ہے۔ علامہ عبید اللہ رحمانی نے ''المرعاۃ شرح المشکاۃ'' میں امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ سے بھی شفق کا معنیٰ سرخی ہی نقل کیا ہے۔ البتہ ''نیل الأوطار'' میں امام شوکانی نے امام احمد کا قول یوں نقل کیا ہے کہ امام احمد کے نزدیک شفق سے مراد صحراء میں سُرخی ہے اور آبادی میں سفیدی، جب کہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے شفق سے مراد سفیدی ہی کیا ہے، لیکن صحیح تر بات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی کی ہے کہ شفق سے مراد سرخی ہے۔

اس حدیث کی استنادی حیثیت اور شفق کے معنیٰ کی تفصیل ''المغنی'' (۲/ ۷۲۵)

---

[1] المنتقیٰ مع النیل (۱/ ۲/ ۹)

"نيل الأوطار" (۱/ ۲/ ۹) "المرعاة شرح المشكاة" (۲/ ۱۷، ۱۸) "سبل السلام شرح بلوغ المرام" (۱/ ۱/ ۱۱٤، ۱۱۵) اور دیگر کتب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ جب کہ "ضعيف الجامع الصغير" (۲/ ۳/ ۲۷۵) میں علامہ البانی نے اس حدیث کو مرفوعاً ضعیف قرار دیا ہے۔ "المرقاة شرح المشكاة" میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے کہ شفق سے مراد سُرخی ہے۔

در مختار میں بھی سُرخی ہی لکھا گیا ہے اور "صدر الشريعة" نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ "المواهب" میں بھی اسی پر فتویٰ بتایا گیا ہے اور "البرهان" میں بھی سُرخی کو ترجیح دی گئی ہے اور "شروح المجمع" وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ خود امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے بھی اپنے پہلے قول یعنی سفیدی سے رجوع کر لیا تھا۔ گویا ان کے نزدیک بھی شفق سے مراد سرخی ہی ہے۔ یوں معاملہ طے ہو گیا کہ چاروں ائمہ مذاہب شفق سے مراد سُرخی ہونے پر متفق ہیں۔ الحمدللہ

نمازِ مغرب کا وقت غروبِ آفتاب سے شفق نمایاں ہونے تک ہے، لیکن یہ تاخیر عذر اور مجبوری والے کے لیے روا ہے، ورنہ اوّل وقت ہی میں نمازِ مغرب پڑھنا افضل ہے، کیوں کہ نبیِ اکرم ﷺ کا عمل مبارک یہی تھا کہ آپ ﷺ غروبِ آفتاب کے فوراً بعد روشنی ہی میں نمازِ مغرب پڑھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری، مسلم، ابوعوانہ، سنن بیہقی، مسند احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت رافع رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

«كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا وَإِنَّهٗ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهٖ»[1]

"ہم نبیِ اکرم ﷺ کے ساتھ اس وقت نمازِ مغرب پڑھتے کہ نماز پڑھ کر ہم میں سے کوئی نکلتا تو تیر پھینکنے پر وہ اپنے تیر کے گرنے کی جگہ دیکھ سکتا تھا، یعنی ابھی

[1] صحيح البخاري مع الفتح (۲/ ٤٠) صحيح مسلم مع شرح النووي (۳/ ۵/ ۱۳٦) الإرواء (۱/ ۲۷۷)

اتنی روشنی ہوتی تھی۔‘‘

صحیح بخاری و مسلم، سنن ابو داود، ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

« إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الْمَغْرِبَ إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، وَتَوَارَتْ بِالْحِجَابِ»[1]

’’نبیِ اکرم ﷺ مغرب کی نماز اس وقت پڑھا کرتے تھے، جب سورج غروب ہوتا اور اس کی ٹکیا چھپ جاتی۔‘‘

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں اس بات کی دلیل ہیں کہ غروبِ آفتاب کے بعد نمازِ مغرب کو جلد پڑھ لینا چاہیے، اس بات پر اجماع ہے اور جن احادیث میں شفق کے غائب ہونے پر نمازِ مغرب پڑھنے کا ذکر ہے، وہ بیان جواز کے لیے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی سائل کے جواب میں تھیں اور یہ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ کے بارے میں ہیں، جن پر آپ ﷺ مسلسل قائم رہے، لہٰذا اُن پر اعتماد نہیں ہوگا۔[2]

اہلِ بیتِ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں سے ایک صحیح بخاری، مسلم، ابی عوانہ، سنن ابی داود اور دیگر کتب میں مذکور ہے، جس میں ۷۴ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی کے امیر بن کر مدینہ آنے کے وقت کا واقعہ درج ہے۔ چنانچہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پوتے حضرت محمد بن عمرو بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ جب حجاج آیا تو ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نمازوں کے اوقات کے بارے میں پوچھا۔ صحیح مسلم میں حجاج کی موجودگی میں اس سوال کا سبب بھی لکھا ہے:

’’كَانَ الْحَجَّاجُ يُؤَخِّرُ الصَّلَاةَ‘‘ ’’حجاج نماز میں تاخیر کیا کرتا تھا۔‘‘

---

[1] حواله جات بالا، صحيح البخاري مع الفتح، رقم الحديث (٥٥٩) صحيح مسلم مع شرح النووي (٢/ ٥/ ١٣٦) المنتقى مع النيل (١/ ٢/ ٣)

[2] شرح النووي (٣/ ٥/ ١٣٦)

لہٰذا اسے تنبیہ کرنے کے لیے یہ سوال پوچھا گیا تو اس وقت حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبیِ اکرم ﷺ کی نماز پنج گانہ کا جو وقت بتایا، اس میں نماز مغرب کے بارے میں فرمایا:

«کانَ النبُّي ﷺ يُصَلِّي الْمَغْرِبَ إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ»[1]

''نبیِ اکرم نمازِ مغرب اسی وقت پڑھ لیا کرتے تھے، جب سورج غروب ہوتا۔''

نبیِ اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے سنن ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم میں مروی ایک مرفوع حدیث ہے، جسے امام ترمذی نے موقوفاً صحیح کہا ہے اور بعض محدّثین نے اسے منکر بھی کہا ہے، لہٰذا یہ قابلِ استدلال نہ بھی مانی جائے تو کم از کم صحیحین اورسنن والی پہلی احادیث کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے، جس کے الفاظ ہیں:

«لَا تَزَالُ أُمَّتِيْ عَلَى الْفِطْرَةِ مَا لَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ حَتّٰى تَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ»[2]

''میری امّت اس وقت تک فطرتِ سلیمہ پر رہے گی، جب وہ ستاروں کی جھلمل جھلمل کرنے تک نمازِ مغرب کو موخر نہ کیا کریں گے۔''

بالکل اسی مفہوم بلکہ انھی الفاظ والی ایک حدیث سنن ابو داود، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں بھی ہے، جو حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہیں، جنھوں نے تحدیث کی بھی صراحت کی ہے۔ فرق صرف اِتنا ہے کہ اس حدیث میں ہے:

«لَا تَزَالُ أُمَّتِيْ بِخَيْرٍ» أَوْ قَالَ: «عَلَى الْفِطْرَةِ»[3]

''میری امّت بہتری سے رہے گی، اورفطرتِ سلیمہ پر رہے گی۔''

اور پہلی میں ہے:

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٤١) صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ١٤٤) سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٩٧)

[2] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٦٨٩) نيل الأوطار (١/ ٢/ ٥٠٤)

[3] صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٠٤)

«لَا تَزَالُ أُمَّتِيْ عَلَى الْفِطْرَةِ» ''میری امت ہمیشہ فطرتِ سلیمہ پر رہے گی۔''

جب کہ اسی موضوع کی کئی اور احادیث بھی ہیں تو پھر اندازہ فرمائیں کہ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی مرویات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ غروبِ آفتاب کے فوراً بعد ستاروں کے جگمگانے سے پہلے نماز پڑھنا فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے، مگر آج کچھ لوگ (حبِّ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم سے سرشاری کے دعوے دار) اذانِ مغرب کے لیے ستارہ نظر آنے کے منتظر رہتے ہیں!!

وقتِ عشا:

فجر وظہر اور عصر ومغرب کے اوقات ذکر کیے جا چکے ہیں۔ آیئے اب نمازِ عشا کے اوّل و آخر وقت کی تعیین بھی احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں کریں، چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام والی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں مذکور ہے کہ عشا کا وقت شفق کے غائب ہونے سے شروع ہوتا ہے اور ایک تہائی رات یا نصف شب تک رہتا ہے، چنانچہ اس حدیث میں پہلے دن کی نمازِ عشا کے بارے میں یہ الفاظ ہیں:

«فَصَلَّى الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ»

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا کی نماز تب پڑھی، جب شفق (یعنی شام کی سُرخی) غائب ہوگئی۔''

دوسرے دن کی نمازِ عشا کے بارے میں یہ الفاظ ہیں:

«ثُمَّ جَاءَهُ الْعِشَاءَ حِيْنَ ذَهَبَ نِصْفُ اللَّيْلِ أَوْ قَالَ: ثُلُثُ اللَّيْلِ فَصَلَّى الْعِشَاءَ»

''پھر (دوسرے دن) حضرت جبرائیل علیہ السلام نمازِ عشا کے لیے اس وقت آئے، جب کہ آدھی رات یا فرمایا کہ ایک تہائی رات گزر چکی تھی۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عشا پڑھی۔''

اس حدیث کے علاوہ بعض دیگر احادیث میں نمازِ عشا کے آخری وقت کی صراحت

آئی ہے۔ مثلاً صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«أَخَّرَ النَّبِيُّ ﷺ صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ صَلّٰى»[1]

''نبیِ اکرم ﷺ نے نمازِ عشا کو نصف شب تک موٴخر کر کے ادا فرمایا۔''

صحیح احادیث میں شطر اللیل، قریبٌ من نصف اللیل اور نصف اللیل الاوسط کے الفاظ ہیں۔ صحیح مسلم، سنن ابی داود، نسائی اور مسند احمد میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما والی حدیث میں بھی یہ صراحت ہے:

«فَإِذَا صَلَّيْتُمُ الْعِشَاءَ فَإِنَّهُ وَقْتٌ إِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ»[2]

''جب تم عشا کی نماز پڑھو تو اس کا وقت نصف رات تک ہے۔''

جب کہ صحیح مسلم، سنن ابی داود کے علاوہ سنن اربعہ، مسند احمد اور منتقی ابن الجارود میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں جو نبیِ اکرم ﷺ کی نمازِ پنج گانہ کے اوقات بیان ہوئے ہیں، ان میں نمازِ عشا کے بارے میں یہ الفاظ ہیں:

«وَصَلَّى الْعِشَاءَ بَعْدَ مَا ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ»[3]

''آپ ﷺ نے نمازِ عشا (دوسرے دن) ایک تہائی رات گزارنے کے بعد ادا فرمائی۔''

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

«ثُمَّ أَخَّرَ الْعِشَاءَ حَتّٰى كَانَ ثُلُثِ اللَّيْلِ الْأَوَّلُ»[4]

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٥١) صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ١٣٩، ١٤٠)

[2] صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ١١١، ١١٢، ١١٣) نیز دیکھیں: صحيح مسلم مع شرح النووي (٢/ ٥/ ١٠٩، ١١٣) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٨٣) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٠٨) مشكاة المصابيح (١/ ١٨٤) المنتقىٰ مع النيل (١/ ١/ ٣١٠)

[3] صحيح مسلم مع النووي (٣/ ٥/ ١١٤، ١١٥) مشكاة مع المرعاة (٢/ ٢٠)

[4] صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ١١٦)

آپ ﷺ نے (دوسرے دن) نمازِ عشا کو اتنا موخر کیا کہ رات کا ایک تہائی حصہ گزر گیا تو نماز پڑھی۔‘‘

ان احادیث میں سے بعض میں نصف اور بعض میں ثلث کا ذکر ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں ان کے مابین تطبیق یوں دی ہے کہ ایک رات گزرنے کے بعد آپ ﷺ نے نمازِ عشا کا آغاز کیا اور آدھی رات پر جا کر ختم کی، لہٰذا دونوں طرح کی احادیث میں کوئی اختلاف نہ رہا، نیز ان کا کہنا ہے کہ صحیح تر قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نمازِ عشا کا وقتِ اختیار نصف شب تک ہی رہتا ہے۔[1]

پھر حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ والی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ نصف رات تک تو نمازِ عشا کا وقتِ اختیار رہے، جب کہ وقتِ جواز طلوعِ فجر ثانی (یا طلوعِ صبح صادق) تک رہتا ہے، کیوں کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ”صحیح مسلم، باب من نسي صلاةً أو نام“ کی حدیث میں نبیِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّهُ لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيطٌ، إِنَّمَا التَّفْرِيطُ عَلٰى مَنْ لَّمْ يُصَلِّ الصَّلَاةَ حَتّٰى يَجِيْءَ وَقْتُ الصَّلَاةِ الْأُخْرٰى»[2]

نیند میں تقصیر اور گناہ نہیں ہے، گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اگلی نماز کا وقت ہو جانے تک کوئی نماز ہی ادا نہ کرے۔‘‘

یہ الفاظ نبیِ اکرم ﷺ نے اس وقت فرمائے تھے، جب آپ ﷺ اور سارا لشکر نمازِ فجر سے سوئے رہ گئے تھے اور صبح سورج کی گرمی نے سب کو اُٹھایا تھا۔ یاد رہے کہ یہ حدیث سنن اربعہ اور مسند احمد میں بھی ہے، مگر اس میں اگلی نماز تک کسی نماز کو نہ پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کے الفاظ: «حَتّٰى يَجِيْءَ وَقْتُ الصَّلَاةِ

[1] شرح صحيح مسلم للنووي (٣/ ٥/ ١١٦، ١١٧)

[2] شرح صحيح مسلم (٣/ ٥/ ١١١) المرعاة (٢/ ٤٥)

الأُخریٰ» کی رُو سے جمہور علما کا مسلک یہ ہے کہ فجر تک عشا کا وقت رہتا ہے، جب کہ بعض اہلِ علم و تحقیق نے کہا ہے کہ نصف شب گزرنے کے بعد نماز ادا نہیں، بلکہ قضا ہوگی۔[1]

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام نووی کی یہی بات نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ اس حدیث میں جو عموم ہے، وہ نمازِ فجر کے بارے میں اجماعِ امت سے مخصوص ہے، یعنی نمازِ فجر کا وقت صرف طلوعِ آفتاب تک رہتا ہے نہ کہ نمازِ ظہر تک۔ طلوعِ آفتاب کے بعد وہ قضا ہوگی اور جن حضرات نے کہا ہے کہ نمازِ عشا کا آخری وقت ادا نصف رات تک ہے، فجر تک نہیں، وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ عشا کی نماز نصف شب والی احادیث کی وجہ سے خاص ہے، لہٰذا اس کا وقت بھی نمازِ فجر تک نہیں رہتا، جیسا اصطخری نے کہا ہے۔[2]

محلّی میں علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس میں اس بات کی دلیل تو نہیں کہ عشا کا وقت نمازِ فجر تک رہتا ہے یا ہر نماز کا وقت اگلی نماز تک رہتا ہے، بلکہ تمام علماے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ فجر کا وقت صرف طلوعِ آفتاب تک رہتا ہے، نہ کہ ظہر تک۔[3]

یہی معاملہ نمازِ عشا کا بھی ہے کہ نصف شب تک ہی اس کا وقت رہتا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے "نیل الأوطار" میں تو یہی موقف اختیار کیا ہے کہ عشا کا آخری وقت فجر تک ہے، یعنی وقتِ اختیار نصف شب تک اور وقتِ جواز و اضطرار فجر تک ہے۔[4] جب کہ "السیل الجرار" (۱/ ۱۸۳) بحوالہ "تمام المنة" (ص: ۱٤۲) میں امام شوکانی رحمہ اللہ نے، اسی طرح انھوں نے "الدرر البهيّة" میں رات کے نصف تک ہی عشا کا آخری وقت شمار کیا ہے۔ علامہ نواب صدیق حسن خان نے بھی "الروضة الندية شرح الدرر البهية" میں

[1] دیکھیں: المشكاة مع المرعاة (۲/ ۲۲، ٤٥)

[2] فتح الباري (۲/ ٥١، ٥٢) و انظر: المجموع (۳/ ٤٠)

[3] انظر المحلّى (۲/ ۳/ ۱۷۸، ۱۷۹)

[4] دیکھیں: نیل الأوطار (۱/ ۲/ ۱۱)

ان کی موافقت ہی ظاہر کی ہے، کیوں کہ انھوں نے ان کے مذکورہ الفاظ پر کوئی تعاقب نہیں کیا۔[1]

"بداية المجتهد" (۱/ ۱۸۳) میں علامہ ابن رشد رحمہ اللہ نے امام مالک کا ایک قول یہی روایت کیا ہے، جو اصطخری (یکے از شافعیہ) ابن حزم، شوکانی، علامہ صدیق حسن خان والی بھوپال اور شیخ البانی کا اختیار ہے۔ ثلثُ اللیل، نصف اللیل، شطر اللیل اور قریب من نصف اللیل کے الفاظ والی احادیث جو حضرت جابر، انس، عبداللہ بن عمرو بن عاص، بریدہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور ابھی ہم نے ذکر کی ہیں اور ان کے علاوہ بھی متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث اسی مفہوم کی کتبِ حدیث میں موجود ہیں،[2] ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگلی نماز تک پچھلی نماز کے وقت کی توسیع کے عموم کو یہ خاص کر دیتی ہیں اور عشا کا آخری وقت نصف شب تک طے کر دیتی ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے ترمذی شریف کی بے نظیر شرح "تحفة الأحوذي" میں فجر تک نمازِ عشا کا وقت ماننے والوں کے دلائل کا بھرپور جائزہ لیا ہے اور یہ فیصلہ دیا ہے کہ صحیح وصریح احادیث کی رُو سے عشا کا آخری وقت آدھی رات تک ہی ہے۔[3]

اس مسلک کی تائید موطا امام مالک، معانی الآثار طحاوی اور محلیٰ ابن حزم میں صحیح سند کے ساتھ مروی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس مکتوبِ گرامی سے بھی ہوتی ہے، جس میں انھوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا:

"وَأَنْ صَلِّ الْعِشَاءَ مَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ ثُلُثِ اللَّيْلِ، وَإِنْ أَخَّرْتَ فَإِلٰى شَطْرِ اللَّيْلِ وَإِلَّا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ"[4]

---

[1] دیکھیں: الروضة الندية (۱/ ۷۰) طبع دار المعرفة، بيروت.

[2] النيل (۱/ ۲/ ۱۰، ۱۳)

[3] تحفة الأحوذي (۱/ ٥٠٤، ٥٠٥)

[4] المحلّى (۲/ ۳/ ۱۸٥) وصححه الألباني في تمام المنة (ص: ۱٤۲) موطأ الإمام مالك مع تنوير الحوالك (۱/ ۲٥) دار الكتب العلمية.

''نمازِ عشا ایک تہائی رات تک پڑھ لیا کرو، اگر اس سے بھی تاخیر کرو تو آدھی رات تک پڑھ لیا کرو، وگرنہ تم غافلوں میں سے ہو جاؤ گے۔''

کتبِ حدیث میں مروی بعض احادیثِ نبویہ ﷺ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نمازِ عشا کو موخر کر کے ادا کرنا چاہیے۔ لیکن اس کے اوّل و آخر وقت میں سے کون سا افضل ہے اور نبیِ اکرم ﷺ کی عادتِ مبارکہ کیا تھی؟ اب اس کا مختصر تذکرہ ملاحظہ فرمائیں۔

نمازِ عشا کا افضل وقت:

اوقات نمازِ پنج گانہ کے سلسلے میں نمازِ عشا کے وقت کی تعیین بھی احادیثِ رسول ﷺ کی رو سے ذکر کی جا چکی ہے اور یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ نمازِ عشا کا وقت غروبِ شفق سے شروع ہو جاتا ہے اور نصف شب تک رہتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے:

«كَانُوا يُصَلُّوْنَ الْعَتَمَةَ فِيْمَا بَيْنَ أَنْ يَّغِيْبَ الشَّفَقُ إِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ»[1]

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غروبِ شفق اور ایک تہائی رات گزرنے کے مابین نمازِ عشا ادا کیا کرتے تھے۔''

جب کہ بعض دیگر احادیث میں نصف اللیل کے الفاظ بھی ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ نماز عشا کے اوّل و آخر اوقات میں سے افضل کون سا ہے تو اس سلسلے میں اہلِ علم کے دو قول ہیں:

اوّل وقت:

علما کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ نمازِ عشا کے اوّل و آخر اوقات میں سے بھی اوّل وقت ہی افضل ہے اور اس پر ان کا استدلال ان احادیث سے ہے، جن میں اول وقت

[1] صحيح البخاري مع الفتح، رقم الحديث (٢٦٩) المنتقى (١/ ٢/ ١١) فقه السنة (١/ ١٠٢)

میں نمازوں کو ادا کرنے کو افضل اعمال میں سے شمار کیا گیا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں، جو صحیح ابن حبان، ابن خزیمہ اور سنن بیہقی میں بھی مروی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟"، "افضل عمل کون سا ہے؟"

تو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلصَّلَاةُ عَلٰی وَقْتِهَا»[1] "نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔"

ایک جگہ ہے:

«اَلصَّلَاةُ فِيْ أَوَّلِ وَقْتِهَا»[2] "نماز کو اس کے اوّل وقت میں ادا کرنا۔"

میں نے پوچھا: اس کے بعد؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«بِرُّ الْوَالِدَيْنِ» "ماں باپ کی خدمت کرنا۔"

میں نے کہا: اس کے بعد؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ»[3] "اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں افضل اعمال میں سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان باللہ کو شمار کیا ہے۔ صاحبِ "فتح الباری" لکھتے ہیں کہ ان ہر دو میں سے کوئی تضاد تعارض نہیں، کیونکہ امام ابن دقیق العید کے بقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں بدنی اعمال مذکور ہیں، جب کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ایمان باللہ کا ذکر ہے تو وہ قلبی اعمال میں سے ہے۔[4]

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح، رقم الحديث (٥٢٧) مختصر صحيح مسلم للمنذري، رقم الحديث (٢٢٦) موارد الظمآن، رقم الحديث (٢٨٠)

[2] فتح الباري (٢/ ١٠)

[3] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٩) صحيح ابن خزيمة (١/ ١٦٩) بتحقيق الأعظمي، صحيح ابن حبان، رقم الحديث (٢٨٠)

[4] فتح الباري (٢/ ٩)

ایک حدیث سنن ابو داود، نسائی، موطا امام مالک اور صحیح ابن حبان میں مروی ہے، جس میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے:

«خَمۡسُ صَلَوَاتٍ افۡتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ، مَنۡ أَحۡسَنَ وُضُوئَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقۡتِهِنَّ وَأَتَمَّ رُكُوعَهُنَّ وَسُجُودَهُنَّ وَخُشُوعَهُنَّ كَانَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهۡدٌ أَنۡ يَّغۡفِرَ لَهٗ، وَمَنۡ لَّمۡ يَفۡعَلۡ فَلَيۡسَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهۡدٌ إِنۡ شَآءَ غَفَرَ لَهٗ وَإِنۡ شَآءَ عَذَّبَهٗ»[3]

''اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جس نے ان کے لیے اچھی طرح (مسنون طریقے سے) وضو کیا اور انھیں ان کے (اوقات اولیٰ) میں ادا کیا۔ ان کے رکوع وسجود اور خشوع وخضوع کا اہتمام کیا تو اس کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے بخش دے گا اور جس نے ایسا نہ کیا، اس کے لیے اللہ کا کوئی عہد نہیں، اگر وہ چاہے گا تو اسے بخش دے اور اگر چاہے گا تو اُسے عذاب دے گا۔''

اس مفہوم کی دیگر احادیث سے استدلال کرتے ہوئے نمازِ عشا کے بھی اوّل وقت میں ادا کرنے ہی کو افضل قرار دیا گیا ہے۔

نمازِ عشا کے اوّل وقت کے افضل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اوّل وقت میں نماز ادا فرمائی اور بعض اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عشا کو موخر کر کے ادا فرمایا، وہ کسی کام یا عذر اور بیانِ جواز کے لیے تھا۔ اگر تاخیر سے عشا کا ادا کرنا افضل ہوتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی پر ہمیشگی فرماتے، چاہے اس میں مشقت بھی ہوتی۔

---

[3] صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٤١٠) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٤٤٧) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤٠١) موارد الظمآن، رقم الحديث (٢٥٢) صحيح الجامع الصغير (٢/ ٣/ ١١٤) و صححه الألباني و ابن عبد البر و النووي كما في تحقيق المشكاة (١/ ١٨٠)

آخری وقت:

اہلِ علم کی دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ باقی چاروں نمازوں کو تو ان کے اوّل اوقات میں ادا کرنا ہی افضل ہے، لیکن نمازِ عشا کو اس کے آخری وقت میں ادا کرنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔ اس رائے والے علما اوّل وقت میں نمازوں کو ادا کرنے پر دلالت کرنے والی احادیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ان میں مطلقاً نمازوں کو اوّل وقت میں ادا کرنے کا حکم ہے، جب کہ نمازِ عشا کو موخر کر کے ادا کرنے کی تو خود نبیِ اکرم ﷺ نے ترغیب دلائی ہے، جس کا ذکر متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے، لہٰذا عمومی احادیث کی نمازِ عشا کے بارے میں ان احادیث سے تخصیص کی جائے گی۔ یعنی عشا کی تاخیر والی احادیث پر عمل کیا جائے گا۔

نبیِ اکرم ﷺ کی جو عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ نے نمازِ عشا اوّل وقت ہی میں ادا فرمائی، لہٰذا یہی افضل ہے تو اس بات کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ بات تب قابلِ قبول ہوتی، جب نبیِ اکرم ﷺ کا صرف عمل مبارک ہی ہوتا کہ آپ ﷺ نے اوّل وقت میں عشا ادا فرمائی اور اس سلسلے میں کوئی ارشاد نہ ہوتا، جب کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ نبیِ اکرم ﷺ کے متعدد ارشادات سے پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے آخری وقت میں نمازِ عشا ادا کرنے کو افضل قرار دیا ہے۔ اوّل وقت میں ادا کرنا صرف اس بنا پر فرمایا کرتے تھے کہ آپ ﷺ امت کو مشقت میں مبتلا نہیں کرنا چاہتے تھے، جیسا کہ بعض احادیث میں واضح طور پر اس بات کا ذکر بھی آیا ہے۔[1]

اور آخری وقت میں نمازِ عشا ادا کرنے کو افضل قرار دینے والے علما کا استدلال جن احادیث سے ہے، ان میں سے ایک تو صحیح مسلم، سنن نسائی اور مسند احمد میں مروی ہے، جس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

---

[1] شرح صحيح مسلم للنووي (٣/ ٥/ ١٣٨) دار إحياء التراث، نيل الأوطار (١/ ٢/ ١٠)

«كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُؤَخِّرُوا الْعِشَآءَ الْآخِرَةَ»[1]

''نبیِ اکرم ﷺ نمازِ عشا کو موخر کر کے ادا کیا کرتے تھے۔''

دوسری حدیث سنن ترمذی و ابن ماجہ اور مسند احمد میں مروی ہے، جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُّؤَخِّرُوْا الْعِشَاءَ إِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ أَوْ نِصْفِهٖ»[2]

''اگر میں اس بات کو اپنی امت کے لیے باعثِ مشقت نہ سمجھتا تو انھیں حکم دے دیتا کہ نمازِ عشا کو ایک تہائی یا نصف رات گزرنے تک موخر کیا کرو۔''

اس مفہوم کی تیسری حدیث صحیح مسلم اور سنن نسائی میں مروی ہے، جس میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

«أَعْتَمَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ حَتّٰى ذَهَبَ عَامَّةُ اللَّيْلِ، وَحَتّٰى نَامَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلّٰى، فَقَالَ: إِنَّهٗ لَوَقْتُهَا لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِي»[3]

''ایک رات نبیِ اکرم ﷺ نے نمازِ عشا کو اتنا موخر کیا کہ کافی رات گزر گئی، حتیٰ کہ اہلِ مسجد سو گئے۔ پھر آپ ﷺ تشریف لائے، نمازِ عشا پڑھی اور فرمایا: اگر میں افرادِ امت کے لیے اس امر کو باعثِ مشقت نہ سمجھتا تو نمازِ عشا کا وقت تو یہی ہے۔''

---

[1] صحيح مسلم مع النووي (٣/ ٥/ ١٤٢) صحيح سنن النسائي (١/ ١١٧) المنتقى (١/ ٢/ ١١)

[2] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٦٩١) صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (١٤١) مسند أحمد (٢/ ٢٥٠، ٤٣٣) المنتقى (١/ ١/ ١١)

[3] مختصر صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢٤) المنتقى مع النيل (١/ ٢/ ١٢) صحيح سنن النسائي (١/ ١١٨)

اس حدیث کے الفاظ: «حَتّٰی ذَهَبَ عَامَّةُ اللَّيْلِ» کی شرح بیان کرتے ہوئے شرح مسلم میں امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس تاخیر سے، جو ان احادیث میں مذکور ہے، ایسی تاخیر بھی مراد نہیں، جو وقتِ اختیار یعنی تہائی یا نصف رات سے بھی آگے گزر جائے۔ بلکہ عامۃ اللّیل سے مراد اس کا کثیر حصہ گزر جانا ہے نہ کہ اکثر حصہ گزرنا اور اس تاویل کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں، کیوں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے «إِنَّهُ لِوَقْتُهَا» فرمایا ہے کہ یہ اس کا وقت ہے، جس سے اس نصف شب کے بعد کا حصہ ہرگز مراد نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ علما میں سے آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ نصف رات کے بعد نمازِ عشا پڑھنا افضل ہے، لہٰذا عامۃ اللّیل سے رات کا کافی حصہ گزرنا مراد ہے اور وہ بھی نصف سے زیادہ نہیں، بلکہ اس کے اندر اندر ہے۔[1]

اسی موضوع کی چوتھی حدیث صحیح بخاری و مسلم، سنن ابی داود اور نسائی میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں وہ پانچوں نمازوں کے اوقات نبیِ اکرم ﷺ کی نمازوں کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں، اس حدیث میں ہے:

«وَ الْعِشَاءَ أَحْيَاناً يُؤَخِّرُهَا وَأَحْيَانًا يُعَجِّلُ إِذَا رَآهُمُ اجْتَمَعُوْا عَجَّلَ، وَإِذَا رَآهُمْ أَبْطَؤُوْا أَخَّرَ»[2]

''آپ ﷺ نمازِ عشا کو کبھی تو موخر کرکے پڑھتے اور کبھی جلدی ادا فرماتے۔ جب آپ ﷺ دیکھتے کہ لوگ اکٹھے ہوگئے ہیں تو جلدی نماز پڑھا دیتے اور اگر آپ ﷺ دیکھتے کہ لوگ لیٹ ہو رہے ہیں تو آپ ﷺ نماز ہی لیٹ کر لیتے تھے۔''

---

[1] شرح صحيح مسلم للنووي (٣/ ٥/ ١٣٨) نيل الأوطار (١/ ٢/ ١٢)

[2] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٤١) صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ١٤٤) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٨٤) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥١٣)

صحیح بخاری و مسلم کی ایک متفق علیہ پانچویں حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں وہ بیان کرتے ہیں:

«اَخَّرَ النبيُّ ﷺ صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلٰی نِصُفِ اللَّیُلِ، ثُمَّ صَلّٰی، ثُمَّ قَالَ: قَدُ صَلَّی النَّاسُ وَنَامُوُا، أَمَا إِنَّكُمُ فِيُ صَلَاةٍ مَا انُتَظَرُتُمُوُهَا»[1]

''نبیِ اکرم ﷺ نے نمازِ عشا کو نصف شب تک موخر کیا اور پھر پڑھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: دوسرے لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے اور وہ سو بھی چکے ہیں۔تم لوگ جب تک انتظار میں ہو گویا نماز ہی ادا کر رہے ہو۔''

چھٹی حدیث سنن ابی داود، نسائی، صحیح ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور مسند احمد میں مروی ہے، جس میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

«اِنُتَظَرُنَا رَسُوُلَ اللّٰهِ ﷺ لَیُلَةً بِصَلَاةِ الْعِشَآءِ، حَتّٰی ذَهَبَ نَحُوًا مِّنُ شَطُرِ اللَّیُلِ»

''ہم نے ایک رات نبیِ اکرم ﷺ کا نمازِ عشا کے لیے انتظار کیا، حتیٰ کہ تقریباً آدھی رات گزر گئی۔''

آگے فرماتے ہیں:

«فَجَآءَ فَصَلّٰی بِنَا» ''پھر آپ ﷺ تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

« خُذُوُا مَقَاعِدَكُمُ فَإِنَّ النَّاسَ قَدُ أَخَذُوُا مَضَاجِعَهُمُ وَإِنَّكُمُ لَمُ تَزَالُوُا فِيُ صَلَاةٍ مُنُذُ اِنُتَظَرُتُمُوُهَا، وَلَوُ لَا ضُعُفُ الضَّعِیُفِ وَسُقُمُ السَّقِیُمِ وَحَاجَةُ ذِي الْحَاجَةِ الْأَخَّرُتُ هٰذِهِ الصَّلَاةِ إِلٰی

[1] صحيح البخاري مع الفتح، رقم الحديث (٥٨٢) و صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ١٣٩، ١٤٠)

شَطرِ اللَّیلِ»[1]

''(صفوں میں) اپنی اپنی جگہ پکڑو اور دوسرے لوگ اپنے بستروں میں دراز ہو چکے ہیں اور تم مسلسل اس وقت سے نماز کی حالت میں شمار کیے جا رہے ہو، جب سے تم اس کا انتظار کر رہے ہو۔ اگر مجھے بیمار کی بیماری، کمزور کی کمزوری اور حاجت مند کی حاجت کا پاس نہ ہوتا تو میں نمازِ عشا کو آدھی رات تک موخر کر کے پڑھا کرتا۔''

اسی موضوع کی بعض دیگر احادیث بھی ہیں، جن میں سے ساتویں حدیث صحیح بخاری اور مسلم، اسی طرح سنن نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، جس میں وہ فرماتی ہیں:

«اَعتَمَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَیلَۃً بِالعَتَمَۃِ فَنَادَاہُ عُمَرُ رضی اللہ عنہ: نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبیَانُ»

''نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات نمازِ عشا کو بہت موخر کیا تب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دیتے ہوئے فرمایا کہ عورتیں اور بچے سو گئے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا:

«مَا یَنتَظِرُهَا غَیرُکُم»[2]

''تمھارے سوا کوئی اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا ہے۔''

جب کہ آٹھویں حدیث صحیح بخاری و مسلم اور سنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جس میں وہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم ایک رات نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ عشا کے لیے انتظار کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک تہائی یا اس سے بھی زیادہ رات گزر جانے کے بعد

---

[1] صحیح سنن النسائي (١/ ١١٨) و صحیح سنن أبي داود (٤٠٧) سنن ابن ماجه، رقم الحدیث (٦٩٣) المنتقی (١/ ١٢/ ١٣) و صححه الشوکاني في النیل.

[2] صحیح البخاري مع الفتح (٢/ ٤٧) صحیح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ١٣٧) سنن النسائي (١/ ١١٨) المنتقی (١/ ٢/ ١٠)

تشریف لائے اور آتے ہی فرمایا:

«إِنَّكُمْ تَنْتَظِرُوْنَ الصَّلَاةَ مَا يَنْتَظِرُهَا أَهْلُ دِيْنٍ غَيْرَكُمْ وَلَوْلَا أَنْ يَّثْقُلَ عَلٰى أُمَّتِي لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هٰذِهِ السَّاعَةَ»[1]

''تم اس نماز کا انتظار کر رہے ہو، کہ جس کا انتظار دوسرے کسی بھی دین کا کوئی پیروکار نہیں کر رہا۔ اگر میں اپنی امت کے لیے اسے بوجھل نہ سمجھتا، تو انھیں ہمیشہ اسی وقت ہی پڑھایا کرتا۔'' اس ارشاد کے بعد آپ ﷺ نے موذن سے اقامت کہلوائی اور نماز ادا کی۔

جب کہ نویں حدیث سنن ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، بیہقی اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں ارشادِ نبوی ہے:

«لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ وَبِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ وُضُوْءٍ»[2]

''اگر میں اپنی امّت کے لیے اسے باعثِ مشقّت نہ سمجھتا تو انھیں حکم دیتا کہ وہ عشا کو موخر کر کے پڑھا کریں اور ہر وضو کے وقت مسواک کیا کریں۔''

جب کہ بخاری شریف میں تعلیقاً اور مسند احمد میں مرفوعاً «عِنْدَ كُلِّ وُضُوْءٍ» اور «مَعَ كُلِّ وُضُوْءٍ» کے الفاظ بھی ہیں کہ ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

ایک دسویں حدیث صحیح بخاری و مسلم اور سنن نسائی میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جس میں وہ بیان کرتے ہیں:

«أَخَّرَ النَّبِيُّ ﷺ الْعِشَاءَ ذَاتَ لَيْلَةٍ حَتّٰى ذَهَبَ مِنَ اللَّيْلِ...

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح، رقم الحديث (٥٧٠) صحيح مسلم مع النووي (٣/ ٥/ ١٣٩) و صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٠٥) صحيح سنن النسائي (١/ ١١٨)

[2] سنن النسائي (١/ ١١٧) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٦) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٦٩٠، ٦٩١) إرواء الغليل (١/ ١٠٨ تا ١١١)

الصَّلَاةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَدْ نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ》[1]

''نبیِ اکرم ﷺ نے ایک رات نمازِ عشا کو اتنا موخر کر دیا کہ رات کا کافی حصہ گزر گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! نماز کے لیے تشریف لائیں، اب تو عورتیں اور بچے سو گئے ہیں۔''

آپ ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ کے سرِ اقدس سے پانی ٹپک رہا تھا اور آپ ﷺ فرما رہے تھے:

《إِنَّهُ الْوَقْتُ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِيْ》

''اگر میں اپنی امت کے لیے اسے باعثِ مشقت نہ سمجھوں تو عشا کا یہی وقت ہے۔''

دوسری روایت میں ہے:

《لَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِيْ لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ لَّا يُصَلُّوْهَا إِلَّا هٰكَذَا》[2]

''اگر یہ افرادِ امت کے لیے باعث مشقتِ نہ ہوتا تو میں انھیں حکم دے دیتا کہ وہ نمازِ عشا کو صرف اسی طرح ہی ادا کیا کریں۔''

اسی مفہوم کی گیارھویں حدیث سنن ابو داود، ترمذی، بیہقی، معانی الآثار اور مسند احمد میں حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جسے امام ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ بارھویں حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، تیرھویں حدیث مستدرک حاکم، مسند احمد اور سنن کبریٰ بیہقی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جسے علامہ احمد شاکر نے صحیح قرار دیا ہے، ایسے ہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے معانی الآثار طحاوی میں، حضرت زینب بنت حمیش رضی اللہ عنہا سے مسند

[1] صحيح البخاري مع الفتح، رقم الحديث (٥٧١) صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ١٤١)

[2] صحيح البخاري مع الفتح، رقم الحديث (٥٧١) صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ١٤١) صحيح سنن النسائي (١/ ١١٧)

احمد میں، حضرت عبداللہ بن حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ سے سنن ابو داود اور مستدرکِ حاکم میں اور ایک صحابی سے مسند احمد و معانی الآثار میں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے سنن ابو داود میں اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے زوائدِ مسند احمد میں بھی اسی معنیٰ ومفہوم کی حدیث مروی ہے۔[1]

یہ تقریباً انیس حدیثیں ہیں اور بیسوں حدیث صحیحین وسنن اربعہ میں مروی ہے، جس میں حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ الْعِشَاءَ الَّتِي يَدْعُوْنَهُ الْعَتَمَةَ، وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا»[2]

''نبیِ اکرم ﷺ نمازِ عشا جسے لوگ عتمہ بھی کہتے تھے، اسے موخر کر کے ادا فرمانا مستحب سمجھتے تھے اور آپ ﷺ عشا سے پہلے سونے کو اور عشا کے بعد باتیں کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔''

اس حدیث میں نمازِ عشا کے بعد فضول گوئی، قصہ خوانی اور فالتو باتوں کی ممانعت بھی آگئی ہے۔ اس موضوع کی قدرے تفصیل بھی ہم بعد میں ذکر کریں گے، لیکن سرِدست اس حدیث کا پہلا جز ہی ہمارا محلِ شاہد ہے، لہٰذا بیس تک پہنچنے والی ان تمام احادیث کی بنا پر اہلِ علم کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ نمازِ عشا کو موخر کر کے ادا کرنا افضل ہے اور نبیِ اکرم ﷺ کی اکثر عادتِ مبارکہ اول وقت میں نمازِ عشا ادا کرنے کو مشقت کے خیال پر محمول کیا جائے گا۔

---

[1] دیکھیں: نصب الراية (١/ ٤٦، ٢٤٨) التلخيص الحبير (١/ ١/ ١٧٦) نيل الأوطار (١/ ٢/ ١٠) الإرواء (١/ ١٠٨، ١١١)

[2] صحيح البخاري مع الفتح، رقم الحديث (٥٤٧) و صحيح مسلم مع النووي (٣/ ٥/ ١٣٥) و صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥١٦) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٨٥) صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (١٤٢) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٧٠١) المنتقى (١/ ٢/ ١٣) نصب الراية (١/ ٢٤٨)

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رکھیں کہ نمازِ عشا کا موخر کرنا ہی افضل مان لیا جائے، تب بھی اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ کوئی شخص نمازِ باجماعت کو محض اس بنا پر نہ چھوڑ دیا کرے کہ میں نماز کو مؤخر کر کے ادا کروں گا، کیوں کہ اس طرح وہ ایک فضیلت کو حاصل کرنے کی فکر میں جماعت میں حاضری کے وجوب کا تارک اور بہت بڑے ثواب سے محروم ہو جائے گا۔

طویل الاوقات علاقوں میں نماز

ان مقامات پر جہاں بعض نمازوں کا وقت ہی ملتا ہو، مثلاً آفتاب کے طلوع وغروب کے درمیان نصف گھنٹے کا فاصلہ رہتا ہو یا چھے ماہ مسلسل دن اور چھے ماہ مسلسل رات رہتی ہو۔ وہاں ان نمازوں کا کیا حکم ہوگا، جن کا وقت ہی نہیں آیا؟ (جیسے قطبین یا ان کے قریبی علاقے ہیں) اس سوال کا جواب مولانا سیف اللہ رحمانی (فاضل دیوبند) نے اپنی کتاب ''جدید فقہی مسائل'' میں یوں دیا ہے:

اس سلسلے میں فقہاے احناف کی آرا مختلف ہیں۔ یہ اختلاف دراصل اس پر مبنی ہے کہ نماز کے لیے وقت کی کیا حیثیت ہے؟

ایک جماعت کے نزدیک اس کی حیثیت شرط کی ہے اور شرط ہی مفقود ہو تو ظاہر ہے کہ وہ چیز واجب ہی نہیں ہوگی۔ اس لیے وہ ایسے مقامات پر ان نمازوں کو ضروری ہی قرار نہیں دیتے جن کا وقت ہی نہیں آیا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ وقت شرط نہیں ''علامت'' ہے اور ایک علامت کے نہ پائے جانے سے ضروری نہیں کہ وہ حکم ہی باقی نہ رہے۔ ایک علامت کی جگہ دوسری علامت لے سکتی ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ چاہے وقت نہ پایا جائے، نماز پھر بھی واجب ہوگی اور اندازے سے وقت متعین کر کے نماز ادا کی جائیں گی۔ (فتح القدیر شرح هداية)

حدیثِ اوّل:

قرآن و حدیث میں عام طور پر نماز کے ساتھ جس طرح وقت کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے وقت کی ان دونوں صورتوں میں کوئی ایک حیثیت غیر مبہم اور دوٹوک طور پر سامنے

نہیں آتی، مگر دو باتیں ایسی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت کو علامت ہی کی حیثیت دینی چاہیے۔ ان میں سے ایک یہ کہ نماز کی پانچ وقتوں کی فرضیّت بلاتخصیص تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ یہ عموم اسی وقت برقرار رہ سکتا ہے، جب ایسے مقامات پر اندازے سے پانچوں نمازیں ادا کی جائیں۔

دوسری بات یہ کہ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی وہ روایت، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے ظہور کے وقت ایسے دن کی پیشین گوئی کی ہے، جو ایک سال کے برابر ہوگا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اس میں ایک ہی دن کی نمازیں کافی ہو جائیں گی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں بلکہ اندازے سے نمازیں ادا کرو گے۔''

اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

« قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! فَذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَسَنَةٍ أَتَكْفِيْنَا فِيْهِ صَلَاةُ يَوْمٍ؟ قَالَ: لَا، أُقْدُرُوْا لَهٗ قَدْرَهٗ »[1]

''ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس دن جو ایک سال کے مساوی ہوگا، کیا ایک دن کی نماز کافی ہو جائے گی؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس دن نماز کے لیے اندازے سے کام لو۔''

آگے موصوف لکھتے ہیں:

''اس حدیث نے گویا اس مسئلے کو دوٹوک حل کر دیا ہے۔''

راقم الحروف کی رائے بھی یہی ہے کہ ایسے مقامات پر نمازیں اندازے سے ادا کی جائیں گی اور ہر چوبیس گھنٹے کو شب و روز تصور کر کے اوقاتِ نماز کے درمیان جو فاصلہ ہے،

[1] صحيح مسلم مع شرح النووي (٩/ ١٨/ ٦٥، ٦٦) صحيح سنن الترمذي للألباني (٢/ ٢٤٩) طبع مكتبه التربية لدولة الخليج۔ الرياض.

اس کا تناسب ملحوظ رکھتے ہوئے نمازیں پڑھی جائیں گی۔[1]

شرح مسلم نووی میں اندازے سے کام لینے کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فجر پڑھیں اور جب طلوعِ فجر اور ظہر کے درمیانی وقت کا عرصہ گزر گیا تو ظہر پڑھیں اور جب ظہر و عصر کے درمیانی وقت کے مطابق عرصہ گزر گیا تو عصر پڑھیں۔ پھر عصر و مغرب کے درمیانی وقت کا عرصہ گزر گیا تو مغرب پڑھیں اور اسی طرح ہی عشا، پھر فجر، پھر ظہر، پھر عصر، پھر مغرب اور نمازوں کا یہ سلسلہ اسی طرح اندازے سے چلتا رہے گا، یہاں تک کہ وہ دن ختم نہ ہو جائے۔[2]

طویل الاوقات علاقوں (قطبین) میں نماز اور روزے کے اوقات سے متعلق بعض اہم اداروں کے فیصلے:

اس سلسلے میں ندوہ بروکسل ہیئت کبار العلماء، سعودیہ اور فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ، جیسے اہم اداروں کی طرف سے بعض قرار دادیں اور فیصلے بھی صادر ہوئے ہیں، جنھیں ہم رابطہ عالمِ اسلامی کی طرف سے شائع کی گئی کتاب "قرارات المجمع الفقهي الإسلامي"، بلکہ "الدورة الخامسة" (ص: ٨٩، ٩١) [٨/ ١٦ ربیع الآخر ١٤٠٢ھ] سے نقل کر رہے ہیں۔ مذکورہ کتاب میں انتہائی درجے کے خطوط عرض بلد (قطبین) پر واقع (طویل الاوقات) علاقوں میں نماز روزے کے اوقات سے متعلقہ قرارداد نمبر (۳) میں حمد و ثنائے باری تعالیٰ اور صلوٰۃ وسلام بر نبی خیر الانام ﷺ کے بعد لکھا ہے:

> "اسلامی فقہ اکیڈمی کے تیسرے اجلاس منعقدہ بروز جمعرات بہ تاریخ ۱۰/۴/۱۴۰۲ھ بہ مطابق ۴/۲/۱۹۸۲ء میں ندوہ بروکسل ۱۴۰۰ھ = ۱۹۸۰ء کی قرارداد اور سعودی عرب کے ادارے "ہیئت کبار علماء" کی قرار داد نمبر ۶۱ بہ تاریخ ۱۲/۴/ ۱۳۹۶ھ

---

[1] جدید فقہی مسائل (ص: ۴۰، ۴۱)

[2] شرح صحيح مسلم للنووي (٩/ ١٨/ ١٦٦، ١٥٦)

پر شرکاے مجلس کو مدعو کیا گیا کہ جن کا تعلق ان علاقوں میں نماز روزے کے اوقات سے ہے، جن میں سال کے کچھ موسموں میں رات بہت ہی زیادہ چھوٹی ہوتی ہے اور بعض موسموں میں دن بہت ہی زیادہ چھوٹا ہوتا ہے، یا پھر جہاں چھے ماہ سورج (دن) اور چھے ماہ غروبِ آفتاب کی کیفیت (رات) رہتی ہے۔ اس موضوع کے بارے میں قدیم و جدید فقہا نے جو لکھا ہے، اس کا جائزہ لینے کے بعد درج ذیل قرارداد پاس ہوئی۔

وہ علاقے (یا سمتیں) جو عالی درجات (انتہائی بلند درجے کے) خطوط عرض بلد (قطبین) پر واقع ہیں ہیں، انھیں تین حصوں (یا قسموں) میں تقسیم کیا جائے گا:

1. وہ علاقے (یا سمتیں) جن میں موسموں کے اختلاف کے باوجود چوبیس گھنٹے کے برابر دن ہوتا ہے اور چوبیس گھنٹوں کے برابر ہی رات ہوتی ہے (یعنی چوبیس گھنٹے دن اور چوبیس چوبیس گھنٹے رات) یا اس سے بھی زیادہ مدت کے دن اور رات ہوتے ہیں (یعنی کم و بیش چھے ماہ دن اور چھے ماہ رات) دن اور رات کی اس کیفیت میں ان علاقوں (یا جہتوں) میں نماز اور روزے وغیرہ کے اوقات کا اندازہ ان جہات (یا علاقوں) کے اعتبار سے لگایا جائے گا، جو ان کے سب سے زیادہ قریب ہوں گے اور ان میں دن اور رات (دونوں) کی تمیز چوبیس گھنٹے کے اعتبار سے ہوتی ہو۔ (یعنی ان علاقوں یا جہات میں ہر چوبیس چوبیس گھنٹوں کو ایک شب و روز تصور کر کے اندازہ لگا کر اور اوقاتِ نماز کے درمیان جو فصل ہے، اس کا تناسب ملحوظ رکھتے ہوئے پانچ نمازیں ادا کی جائیں گی)

2. دوسرے وہ علاقے جہاں شفقِ غروب (شام کی سرخی) غائب ہی نہیں ہوتی کہ شفقِ فجر (صبح کا سفیدہ یا سرخی) طلوع ہو جاتی ہے اور ان علاقوں میں شفقِ غروب اور شفقِ شروق میں کوئی فرق بھی نہیں کیا جا سکتا۔ (یعنی پتا نہیں چلتا کہ کون سی شفق غروب ہے اور کون سی شفق شروق)۔ (جو علاقے ان جہات پر

واقع ہوں) ان علاقوں میں نمازِ عشا، سحری کے آخری وقت اور نمازِ فجر کے اوقات کا اندازہ لگایا جائے گا۔ (یعنی ان کے اوقات کا کام اندازے سے لیا جائے گا) اور یہ اندازہ بھی اس آخری وقت کے اعتبار سے ہوگا، جس میں دونوں شفق (طلوع وغروب کی سرخی) میں کچھ تمیز وفرق ہو سکے۔ (یعنی پہلے اندازہ لگایا کہ یہ شفق غروب ہے تو اس کے زائل ہونے (غائب ہونے) پر نمازِ عشا ادا ہوگی اور پھر اس کے بعد اندازے کے مطابق جتنا وقت نمازِ عشا سے لے کر طلوعِ صبح صادق تک ہوتا ہے، اس کا اندازہ لگا کر اتنا وقت گزرنے پر سحری کا وقت ہو جائے گا اور پھر صبح کی نماز کا وقت شروع ہو جائے گا اور نمازِ فجر پڑھی جائے گی، اسی طرح ہی اندازے سے دوسری نمازیں ادا کی جائیں گی۔ یہ یاد رہے کہ سورج غروب ہوتے ہی نمازِ مغرب ادا ہوگی۔

3 تیسرے وہ علاقے جہاں دن اور رات دونوں چوبیس گھنٹوں کے ہوتے ہیں اور ان علاقوں میں نمازوں کے اوقات بھی علاحدہ ہوتے ہیں (کہ یہ ظہر کا وقت ہے، یہ عصر کا، یہ مغرب کا اور یہ عشا کا) اور ان علاقوں میں سال کے کچھ موسموں میں دن بہت زیادہ چھوٹا ہوتا ہے اور بعض موسموں میں رات بہت زیادہ چھوٹی ہوتی ہے۔ جو کوئی ان علاقوں میں مقیم ہو، جہاں رات اور دن کی تمیز وفرق طلوعِ فجر اور غروبِ آفتاب کے اعتبار سے کی جاتی ہو، مگر موسم گرما میں ان علاقوں میں دن بہت لمبا اور موسمِ سرما میں دن بہت چھوٹا ہوتا ہو تو ان علاقوں میں شرعی طور پر پانچوں نمازیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے عموم کے اعتبار سے اپنے اپنے معروف وقت پر ادا کی جائیں گی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴾ [بني إسرائيل: ۷۸]

''زوالِ آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز قائم کیجیے اور فجر کے وقت قرآن (نمازِ فجر) کا بھی التزام کیجیے، کیوں کہ قرآنِ فجر (نمازِ فجر میں فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴾ [النساء: ١٠٣]

''یقیناً نماز پابندیِ وقت کے ساتھ مومنین پر فرض کی گئی ہے۔''

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں:

« إِنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ قَالَ: فَقَالَ لَهُ: صَلِّ مَعَنَا هٰذَيْنِ يَعْنِي الْيَوْمَيْنِ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الظُّهْرَ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْعَصْرَ، وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْفَجْرَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ، فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الثَّانِي أَمَرَهُ فَأَبْرَدَ بِالظُّهْرِ فَأَبْرَدَ بِهَا فَأَنْعَمَ أَنْ يُّبْرِدَ بِهَا، وَصَلَّى الْعَصْرَ، وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ، أَخَّرَهَا فَوْقَ الَّذِي كَانَ، وَصَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ أَنْ يَّغِيْبَ الشَّفَقُ، وَصَلَّى الْعِشَاءَ بَعْدَ مَا ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ وَصَلَّى الْفَجْرَ فَأَسْفَرَ بِهَا، ثُمَّ قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ: أَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: وَقْتُ صَلَاتِكُمْ بَيْنَ مَا رَأَيْتُمْ »[1]

''ایک شخص نے (خدمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوقاتِ نماز کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دو دن تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو۔ جب زوال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو

[1] صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ١١٤، ١١٥)

اذان کہنے کا حکم فرمایا۔ پھر اقامت کا حکم فرمایا اور نمازِ ظہر پڑھی۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو عصر کی اقامت کا حکم فرمایا تو انھوں نے عصر کی اقامت کہی، جب کہ ابھی سورج بلند سفید (اور) صاف تھا۔ (یعنی ابھی تک دھوپ میں زردی نہیں آئی تھی) جب سورج غروب ہوگیا تو آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مغرب کی اقامت کا حکم دیا اور پھر جب شفق (شام کی سرخی) غائب ہوگئی تو آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اقامتِ عشا (نمازِ عشا کی تکبیر) کا حکم دیا۔ (نماز پڑھی) اور پھر جب فجر (صبح صادق) طلوع ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اقامت (تکبیر) کہنے کا حکم فرمایا (نماز فجر پڑھی) جب دوسرا دن ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نمازِ ظہر کو ٹھنڈا کرنے کا حکم فرمایا تو انھوں نے ظہر کو ٹھنڈا کیا، یعنی نمازِ ظہر خوب ٹھنڈے وقت میں پڑھائی۔ پھر نمازِ عصر اس وقت پڑھی، جب کہ سورج بلند تھا، لیکن پہلے روز سے ڈھل چکا تھا (یعنی اس روز پہلے روز کی نسبت تاخیر کی) اور شام کی سرخی ہو جانے سے پہلے نمازِ مغرب پڑھی اور ایک تہائی رات گزر جانے کے بعد نمازِ عشا پڑھائی اور صبح کی نماز خوب روشنی پھیل جانے پر پڑھائی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: نمازوں کے اوقات کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟ تو اس شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں موجود ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو کچھ تم نے دیکھا ہے، تمھاری نمازوں کا وقت اس کے درمیان ہے۔‘‘

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ، وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهِ مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ، وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَالَمْ تَصْفَرِّ الشَّمْسُ، وَوَقْتُ

صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَآءِ إِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ الْأَوْسَطِ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ فَإِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَأَمْسِكْ عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ»[1]

''ظہر کا وقت زوالِ آفتاب سے لے کر آدمی کا سایہ اس کے برابر ہو جانے تک ہے، جب کہ ابھی عصر نہ ہوئی ہو اور نمازِ عصر کا وقت اس وقت تک ہے، جب تک کہ سورج کا رنگ زرد نہ پڑ جائے (یعنی ابھی دھوپ میں زردی نہ آئی ہو) اور نمازِ مغرب کا وقت اس وقت تک ہے، جب تک کہ شفق غائب نہ ہو جائے۔ نمازِ عشا کا وقت ٹھیک آدھی رات تک ہے اور نمازِ فجر کا وقت طلوعِ فجر (صبح صادق) سے لے کر طلوعِ آفتاب تک ہے۔ پس جب سورج طلوع ہو رہا ہو تو تم نماز پڑھنے سے رُک جاؤ، کیوں کہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔''

ان دو احادیث کے علاوہ بھی بعض ایسی احادیث ہیں جو قولی وفعلی اعتبار سے پانچوں نمازوں کے وقت کی تحدید کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، ان احادیث میں دن رات کے بعض موسموں میں بہت زیادہ بڑے اور چھوٹے ہونے کے اعتبار سے بھی کوئی فرق نہیں کیا گیا، جب کہ وہ اوقات نماز بھی علامات کے ذریعے سے جو رسول اللہ ﷺ نے بیان کی ہیں، علاحدہ علاحدہ ہیں (یعنی وقت کے اعتبار سے ہر نماز کی علامت رسول ﷺ نے واضح طور پر بیان کی ہے، جو اس نماز کو دوسری نماز سے ممتاز کر دیتی ہے)۔

یہ احادیث تو نمازوں کے اوقات کی تحدید کے بارے میں ہیں، جب کہ

[1] صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ١١٢، ١١٣)

ماہِ رمضان کے روزوں کے وقت کی تحدید کے بارے میں اپنے اپنے علاقوں میں مکلَّفین پر واجب ہوگا کہ وہ طلوعِ فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے، پینے اور ہر اس چیز سے رکے رہیں جو روزے کے ٹوٹنے یا افطار کا سبب بنے۔ جب تک ان علاقوں میں دن رات سے علاحدہ ہوتا رہے گا (یعنی ان دونوں میں طلوع وغروب آفتاب کے لحاظ سے فرق وتمیز ہوتی رہے گی) ان دونوں (دن اور رات) کا مجموعی وقت بھی چوبیس گھنٹوں کا ہوگا تو ان علاقے والوں کے لیے رمضان میں صرف رات کو کھانا، پینا اور اجماع وغیرہ حلال ہوگا، اگر چہ رات کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو، کیوں کہ شریعتِ اسلامیہ تمام بلاد میں بسنے والے لوگوں کے لیے عام ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ﴾ [البقرۃ: ۱۷۸]

''کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ صبح سفید دھاری اندھیرے کی کالی دھاری سے نمایاں نظر آجائے، یعنی علاحدہ ہو جائے، پھر روزے کو رات تک (غروبِ آفتاب تک) پورا کرو۔''

جو کوئی دن لمبا ہونے کی وجہ سے روزہ پورا کرنے سے یا روزہ رکھنے سے عاجز آجائے، جسے علامات یا تجربہ یا کسی امانت دار ڈاکٹر کے بتانے سے اپنے غالب گمان (ظن غالب) کی وجہ سے یہ یقین ہو جائے کہ روزہ رکھنے سے وہ شدید ترین بیماری میں مبتلا ہو جائے گا یا روزہ رکھنے کی وجہ سے اس کا مرض مزید بڑھے گا یا روزہ رکھنے سے اسے بیماری سے شفایاب ہونے میں تاخیر ہوگی تو ایسے شخص کے لیے رمضان المبارک میں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے۔ یہ مریض یا ایسا شخص ماہِ رمضان میں روزے نہیں رکھے گا، بلکہ دوسرے

دنوں میں جس مہینے میں بھی ممکن ہو (رمضان میں چھوڑے ہوئے روزوں کی) قضا دے گا، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ [البقرة: ١٨٥]

''پس جو کوئی تم میں سے اس ماہِ (رمضان) میں موجود ہو، اسے چاہیے کہ وہ اس میں روزے رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے، یعنی روزوں کی قضا دے۔''

نیز فرمانِ الٰہی ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: ٢٨٦]

''اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت (واختیار) سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ [الحج: ٧٨]

''اللہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں کی۔''

وَاللّٰهُ وَلِيُّ التَّوْفِيْقِ. وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ، وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ.

ممبرانِ فقہ اکیڈمی:

بیماری کی وجہ سے معذوری	دستخط	دستخط سماحۃ الشیخ
رئیس فقہ اکیڈمی	نائب رئیس شیخ	عبدالعزیز ابن باز
شیخ عبداللہ بن حمید	محمد علی الحرکان	دستخط
دستخط	دستخط	شیخ محمد بن صالح العثیمین
شیخ محمد عبداللہ السبیل	الشیخ محمد محمود الصواف غائب از اجتماع	

دستخط | دستخط | الشیخ مسردک العوادی
الشیخ محمد الشاذلی النیفرٰ | شیخ مصطفیٰ احمد الزرقاء | دستخط
دستخط | غائب از اجتماع | مولانا عبد القدوس ہاشمی
الشیخ محمد رشیدی | مولانا ابوالحسن علی الندوی | دستخط
غائب ازاجتماع | دستخط | شیخ ابوبکرمحمود جرمی
شیخ حسین محمد الخلوف | شیخ محمد رشید قبانی | غائب از اجتماع
دستخط | شیخ محمود شیت خطاب الشیخ محمد سالم عدود

قرار دادیں: شیخ محمد عبد الرحیم الخالد

اوقاتِ نہی یا مکروہہ:

نمازِ پنج گانہ ادا کرنے کے اوّل و آخر اوقات کی تفصیل کسی حد تک ذکر کی جا چکی ہے اور اب ان اوقات کو بھی ذہن نشین کر لیں، جن میں (عام نفلی) نمازیں ادا کرنا منع ہے اور جنھیں اوقاتِ مکروہہ کہا جاتا ہے، وہ اوقات پانچ ہیں:

1. ان میں پہلا وقت ہے نمازِ فجر ادا کر لینے کے بعد سے لے کر سورج طلوع ہونے تک۔
2. دوسرا وقت ہے نمازِ عصر ادا کر چکنے سے لے غروبِ آفتاب تک۔
3. تیسرا وقت وہ ہے، جب کہ سورج طلوع ہو رہا ہو، یہاں تک کہ وہ افق سے نکل کر بلند نہ ہو جائے۔
4. چوتھا وقت وہ ہے، جب نصف النہار یا عین دوپہر ہو، یہاں تک کہ سورج سر سے ڈھل جائے۔
5. پانچواں وقت وہ ہے جب سورج غروب ہو رہا ہو، جب تک کہ وہ غروب نہ ہو جائے۔[1]

---

[1] كتاب قرارات المجمع الفقهي الإسلامي مكة المكرمة۔ الدورة الخامسة ٨/ ١٦ ـ ربيع الآخر ١٤٠٢ھ (ص: ٨٩ ـ ٩١) طبع رابطه عالم الإسلامي مكة مكرمة.

[1] فتح الباري (٢/ ٦٢) المرعاة (٢/ ٥١)

بعد از فجر وعصر:

ان پانچوں اوقات میں سے پہلے دو یعنی نمازِ فجر سے لے کر طلوعِ آفتاب تک اور نمازِ عصر سے لے کر غروبِ آفتاب تک کے دوران نماز کی ممانعت ہے۔

حدیثِ اوّل:

صحیح بخاری و مسلم، سنن ابو داود، ترمذی، نسائی، بیہقی اور مسند احمد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَشْرُقَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ»[1]

''نبی اکرم ﷺ نے نمازِ فجر کے بعد سورج طلوع ہو جانے تک نماز سے منع فرمایا اور نمازِ عصر کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک کے دوران میں نماز پڑھنے سے بھی منع فرمایا۔''

حدیثِ ثانی:

اس موضوع کی دوسری حدیث بخاری شریف میں جہاں مذکورہ حدیثِ عمر رضی اللہ عنہ مروی ہے، اسی باب میں ہے اور اس سے اگلے باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک حدیث مروی ہے، جس میں دیگر امور کے علاوہ یہ بھی مذکور ہے:

«إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ»[2]

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٥٨) صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٦/ ١١١) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (١١٣٦) صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (١٥٤) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٤٨) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٢٥٠) الفتح الرباني (٢/ ٢٩٢) صحيح الجامع (٣/ ٦/ ٥٥، ١٩٤)

[2] صحيح مسلم مع النووي (٣/ ٦/ ١١٠)

''نبیِ اکرم ﷺ نے نمازِ فجر کے بعد سورج طلوع ہو جانے تک نماز سے منع فرمایا اور عصر کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک کے دوران میں نماز پڑھنے سے بھی منع فرمایا۔''

حدیثِ ثالث:

صحیح بخاری و مسلم، سنن نسائی، ابن ماجہ، بیہقی اور مسند احمد میں اسی مفہوم کی ایک تیسری حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیِ اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

«لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ»[1]

''نمازِ فجر کے بعد سورج چڑھ آنے تک کوئی نماز نہیں اور عصر کے بعد بھی کوئی نماز نہیں، جب تک کہ سورج غروب نہ ہو جائے۔''

اسی مفہوم و موضوع کی کئی دیگر احادیث بھی متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں جن کی بنا پر جمہور اہلِ علم کا مسلک ہے کہ ان اوقات میں نمازِ فجر پڑھنا مکروہ ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے تو شرح صحیح مسلم میں اس کراہت پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

اس بات پر پوری امت کا اجماع ہے کہ ان اوقات میں کوئی بھی غیر سببی نماز پڑھنا مکروہ ہے، البتہ فرائض کے جواز پر اتفاق ہے۔ سببی نفلی نمازوں کو ادا کرنے کے جواز اور کراہت میں اختلاف ہے، جیسے ''تحیة المسجد''، سجدۂ تلاوت، سجدۂ شکر، نمازِ عید، نمازِ کسوف (سورج گرہن کی نماز) نمازِ جنازہ اور فوت شدہ نمازوں کی قضا ہے۔

اس سلسلے میں امام شافعی رحمہ اللہ اور فقہا و محدّثین کے ایک گروہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ سب سببی نمازیں ان اوقاتِ مکروہہ میں بھی جائز ہیں اور وہ بھی بلا کراہت، جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ

---

[1] صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٦/ ١١٠) الفتح الرباني (٢/ ٢٩١) صحيح الجامع (٣/ ٦/ ١٩٤)

اور بعض دیگر ائمہ وفقہا کے نزدیک یہ نمازیں بھی ممانعت والی احادیث کے تحت آتیں اور ممنوع ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے موافقین کا استدلال یوں ہے کہ جب یہ بات ثابت ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ ظہر کی بعد والی سنتیں نمازِ عصر کے بعد پڑھی تھیں،[1] اور یہ فوت شدہ سنتوں کی قضا کے بارے میں صریح ہے۔ لہٰذا یہ سنن میں بالاولیٰ جائز ہے اور قضاے فریضہ میں بھی بالاولیٰ ہے اور یہی معاملہ نمازِ جنازہ کا بھی ہے۔[2]

یہ امام نووی رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں، جو انھوں نے اختصار کے ساتھ فرمائے ہیں، جب کہ یہاں ہم تفصیل میں نہیں جانا چاہتے، بلکہ ان امور کی قدرے زیادہ تفصیلات مذکور نمازوں کے احکام و مسائل کے ضمن میں ذکر کی جائیں گی۔ یہاں جو امام نووی رحمہ اللہ نے غیر سببی نمازوں کی ان اوقاتِ مکروہہ میں ادا کرنے کی کراہت پر اجماع کا دعوی کیا ہے، اس پر امام عسقلانی رحمہ اللہ نے تعاقب کرتے ہوئے "فتح الباري" میں لکھا ہے کہ یہ اجماع کا دعوی صحیح نہیں، کیوں کہ امام داود اور اہلِ ظاہر کا کہنا ہے کہ ان اوقات میں بھی مطلقاً نماز جائز ہے اور امام ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی یہی بات بالجزم کہی ہے۔ حافظ عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سلف صالحین کی ایک جماعت مطلقاً اباحت کی قائل رہی ہے اور وہ ممانعت وکراہت والی احادیث کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔[3]

اس طرح اجماع کا دعوی تو ثابت نہ ہوا۔ یہی بات امام شوکانی رحمہ اللہ سے بھی مذکور کی ہے۔[4] البتہ جمہور اہلِ علم کے نزدیک ان اوقات میں نماز اور خصوصاً غیر سببی نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ ہاں مذکورہ بالا سببی نمازیں تو الگ بات ہے۔ یہی معاملہ اس صورت میں بھی

[1] صحيح البخاري (٢/ ٦٤)
[2] شرح مسلم مع النووي (٣/ ٦/ ١١٠، ١١١)
[3] فتح الباري (٢/ ٥٩)
[4] كما في الفتح الرباني (٢/ ٢٩٦)

ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں کسی وجہ سے نماز پڑھ لے اور مسجد میں چلا جائے، وہاں دیکھے کہ جماعت ہو رہی ہے تو وہ اس جماعت میں شامل ہوسکتا ہے، کیوں کہ اس بات پر دلالت کرنے والی وہ احادیث جن میں سے چار احادیث جماعت کو سنتِ موکدہ کہنے والوں کے دلائل کے ضمن میں اور دو اس کے بعد بھی ذکر کی جا چکی ہیں اور وہ چھے احادیث ہی مطلق ہیں، ان میں سے کسی میں بھی نبیِ اکرم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ فلاں فلاں نماز ہو تو جماعت میں مل جاؤ اور فلاں فلاں ہو تو نہ ملو، بلکہ آپ ﷺ کا حکم عام ہے، جو پانچوں نمازوں ہی کو شامل ہے۔ امام شافعی، احمد، اسحاق بن راہویہ، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے اور شیخ ابن باز نے تحقیق "فتح الباري" میں اسے ہی صحیح قول قرار دیا ہے۔[1]

جن احادیث میں مذکور ہے کہ نمازِ فجر و عصر کے بعد طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب تک کوئی نماز نہیں ہوتی، وہ احادیث عام ہیں اور دوسری مرتبہ کسی نماز کو ادا کرنے کے لیے جماعت میں شامل ہو جانے والی احادیث خاص ہیں اور صرف ایسے ہی مواقع سے تعلق رکھتی ہیں۔ لہٰذا ان میں باہم کوئی تعارض یا تضاد بھی نہیں بنتا، بلکہ اصول میں مذکور تصریحات کی رو سے خاص احادیث کو عام پر مقدم کرنا ضروری ہوتا ہے، بلکہ مطلقاً عام کی خاص پر بنیاد رکھنے کو واجب قرار دیا گیا ہے۔[2]

امام شوکانی رحمہ اللہ اور علامہ عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ کی تفصیلات کے علاوہ معروف مصری عالم سید سابق نے "فقه السنة" میں ممنوع اوقات کے دوران میں بھی سببی نمازوں کو ادا کرنے کے بلا کراہت جواز والے مسلک کو "أقرب إلی الحق" قرار دیا ہے۔[3]

ان اوقات میں نفلی نمازوں کے مکروہ ہونے کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عمر، علی، ابن مسعود، ابن عمر، خالد بن ولید، ابوہریرہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے

---

[1] فتح الباري (٢/ ٨٩)
[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نیل الأوطار (١/ ٢/ ٢٤) المرعاة (٢/ ١٣٦، ١٣٧)
[3] فقه السنة (١/ ١٠٧)

اقوال ملتے ہیں۔ تابعین میں سے امام حسن بصری اور سعید بن مسیّب رحمہما اللہ بھی اسے مکروہ سمجھتے تھے۔ جب کہ ائمہ مذاہب میں سے امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ بھی کراہت کے قائل تھے۔ امام شافعی سببی نمازوں کو جائز قرار دیتے تھے اور حنابلہ سببی و غیر سببی سب کی حرمت کے قائل ہیں، سوائے طواف کی دو رکعتوں کے۔ البتہ خود امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت میں جواز کا قول منقول ہے۔[4]

جو استثنائی صورتیں بیان کی گئی ہیں، جن میں وہ نمازیں آتی ہیں، جو ان اوقاتِ مکروہہ میں بھی بلا کراہت جائز ہیں، انہی میں سے فجر کی دو سنتیں بھی ہیں، جنھیں فرضوں کے بعد ہی طلوعِ آفتاب سے پہلے پڑھا جا سکتا ہے، جس کے ایک دو نہیں بلکہ متعدد دلائل ہیں۔

فجر کی دو سنتیں:

اگر کوئی شخص فرضوں سے پہلے دو سنتیں نہ پڑھ سکا ہو، بلکہ اس کے مسجد آتے ہی مسجد میں اقامت ہوگئی ہو تو وہ اسی وقت جماعت میں شامل ہو جائے اور جب فرضوں کی تکمیل پر سلام پھر جائے تو بعد میں اٹھ کر وہ اپنی دو سنتیں پڑھ لے۔ اسے اب طلوع آفتاب کا انتظار کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ اس کا جواز متعدد احادیث و آثار سے ثابت ہے۔

حدیثِ اوّل:

سنن ابی داود، ترمذی، ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، سنن دارقطنی و بیہقی اور مسند احمد میں حضرت قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَأُقِیْمَتِ الصَّلَاۃُ فَصَلَّیْتُ مَعَہُ الصُّبْحَ ثُمَّ انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ فَوَجَدَنِيْ أُصَلِّيْ فَقَالَ: مَھْلًا یَا قَیْسُ! أَصَلَوٰتَانِ مَعاً؟ قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ! إِنِّيْ لَمْ أَکُنْ رَکَعْتُ رَکْعَتَيِ الْفَجْرِ»

[1] معالم السنن (١/ ١٦٤) فقه السنة (١/ ١٠٧) تحقيق فتح الباري (٢/ ٥٩) المرعاة (٢/ ١٣٦)

"نبیِ اکرم ﷺ تشریف لائے تو جماعت کی اقامت ہوگئی، میں نے آپ ﷺ کے ساتھ نمازِ فجر پڑھی، پھر جب آپ ﷺ صحابہ کی طرف پھرے تو مجھے نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھہرو! کیا ایک ہی وقت میں دو نمازیں پڑھتے جا رہے ہو؟ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے (جماعت میں شامل ہونے سے پہلے) فجر کی دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔"

اس پر نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا: «فَلَا اِذَنْ»[1] "تب پھر کوئی حرج نہیں۔"

اس «فَلَا إِذَنْ» کا تفصیلی معنیٰ اور دیگر متعلقہ تفصیلات "تحفة الأحوذي" (۲/ ٤۸۸) میں ملاحظہ فرمائیں۔[2]

اس حدیث میں نبیِ اکرم ﷺ نے صراحتاً فرضوں کے فوراً بعد دو سنتیں پڑھنے کی اجازت دی ہے، کیوں کہ یہ بات تو آپ ﷺ کے منصبِ نبوت کے ہی خلاف ہے کہ آپ ﷺ کوئی غلط کام ہوتا دیکھیں تو اس پر نکیر کریں اور نہ ٹوکیں، بلکہ اسے بحال رہنے دیں۔ یہ آپ ﷺ کی شان ہی کے خلاف بات ہے اور جب اس صحابی کو آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا، بلکہ «فَلَا إِذَنْ» فرما کر اجازت بخشی تو اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ یہ جائز ہے۔ اس حدیث سے کبار محدّثین کرام رحمہم اللہ نے بھی یہی مفہوم سمجھا ہے۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے:

"باب فيمن تفوتُه الرّكعتان قبلَ الفجرِ يصلّيهما بعد صلاة الصّبح"

"جس کی فجر سے پہلے والی دو رکعتیں فوت ہو جائیں، تو وہ انھیں فجر کے فرضوں کے بعد پڑھ لے۔"

---

[1] صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (۱۱۲۸) صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (۳٤٦) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۱۱٥٤)

[2] نیز دیکھیں: سنن أبي داود مع العون (٤/ ٤٤) سنن الترمذي مع التحفة (۲/ ٤۸۷، ٤۸۸) سنن ابن ماجه (۱/ ۳٦٥) صحيح ابن خزيمة (۲/ ١٦٤) مصنف ابن أبي شيبة (۲/ ۲٥٤)

امام ابو داود نے یوں تبویب کی ہے:

"باب من فاتَتُه متی یقضیهما"

''جس کی یہ دو رکعتیں رہ جائیں، وہ ان کی قضا کب کرے؟''

اس کے بعد حدیث ذکر کی ہے، جس سے ان کا مقصود واضح ہے کہ وہ فرضوں کے بعد پڑھ لے۔ امام ابن ماجہ کی تبویب ہے:

"بابُ ما جآءَ فیمَنْ فاتَتُه الرّکعتان قبل صلاۃ الفجر متیٰ یقضیهما"

مفہوم اس کا بھی امام ابو داود کی تبویب والا ہے۔ سنن ابی داود والی حدیث کے الفاظ کچھ یوں ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے اس صحابی سے مخاطب ہو کر فرمایا:

«صَلَاۃُ الصُّبْحِ رَکْعَتَانِ» ''صبح کی نماز تو دو ہی رکعتیں ہیں۔''

اس پر انھوں نے جواب دیا کہ میں نے پہلی دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں، وہ اب ادا کی ہیں:

«فَسَکَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ» ''تو نبیِ اکرم ﷺ خاموش ہو گئے۔''

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، آپ ﷺ کی خاموشی رضا کی علامت ہوا کرتی تھی، کیوں کہ "التمهيد لابن عبد البر" میں سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ کی ایک ضعیف السند روایت میں ہے:

« دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الصَّلَاۃِ، وَلَمْ أَکُنْ صَلَّیْتُ الرَّکْعَتَیْنِ فَدَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي الصَّلَاۃِ فَصَلَّیْتُ مَعَهٗ، وَقُمْتُ أُصَلِّيْ... أَلَمْ تَکُنْ صَلَّیْتَ مَعَنَا؟ قُلْتُ: بَلٰی وَلَمْ أَکُنْ صَلَّیْتُ الرَّکْعَتَیْنِ فَصَلَّیْتُ الْآنَ، فَسَکَتَ»

''میں مسجد میں داخل ہوا تو نبیِ اکرم ﷺ نماز میں تھے، جب کہ میں نے ابھی پہلی دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔ میں آپ ﷺ کے ساتھ نماز میں شامل ہو گیا اور

نماز پڑھ لی، پھر میں نے اُٹھ کر نماز (سنتیں) پڑھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟ میں نے کہا: ہاں پڑھی ہے۔ البتہ میں دو سنتیں نہیں پڑھ سکا تھا، وہ میں نے اب پڑھی ہیں۔ پس آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔‘‘

اسی حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«وَكَانَ إِذَا رَضِيَ شَيْئاً سَكَتَ»

’’آپ ﷺ جب کسی کام پر رضا مند ہوتے تو خاموشی اختیار فرماتے تھے۔‘‘

حدیثِ دوم:

اسی موضوع کی دوسری حدیث صحیح ابن حبان و ابن خزیمہ میں ہے، جس میں حضرت قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے نبیِ اکرم ﷺ کے ساتھ نمازِ فجر ادا کی اور سنتیں نہیں پڑھ سکے تھے، جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو انھوں نے کھڑے ہو کر دو سنتیں پڑھیں۔ آگے الفاظ ہیں:

«وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنْظُرُ إِلَيْهِ فَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِ»[1]

’’جب کہ آپ ﷺ انھیں دیکھ رہے تھے، مگر آپ ﷺ نے نکیر نہیں فرمائی، یعنی منع نہیں کیا۔‘‘

حدیثِ سوم:

اسی سلسلے کی تیسری حدیث مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے، جس میں فرضوں کے بعد اُٹھ کر سنتیں پڑھنے والے صحابی کا بیان ہے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آیا تو آپ ﷺ نماز شروع کر چکے تھے، میں نے ابھی سنتیں نہیں پڑھی تھیں اور آپ ﷺ کے نماز پڑھانے کے دوران میں جماعت کے پاس کھڑے ہو کر سنتیں پڑھنا میں نے مکروہ و ناپسندیدہ سمجھا۔

---

[1] موارد الظمآن، رقم الحديث (٦٢٤)

لہٰذا جب جماعت ختم ہوئی تو میں نے دو سنتیں ادا کیں، یہ سن کر نبیِ اکرم ﷺ ہنسے۔

« فَلَم يَأْمُرُهُ وَلَمْ يَنْهَهُ »[1]

''پس آپ ﷺ نے نہ کوئی حکم فرمایا اور نہ منع ہی فرمایا۔''

حدیثِ چہارم:

محلیٰ ابن حزم میں امام عطا رحمہ اللہ ایک انصاری صحابی سے بیان کرتے ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے فجر کی فرض نماز کے بعد کسی کو نماز پڑھتے دیکھا، پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں نے سنتیں نہیں پڑھیں تھیں اور اب ادا کی ہیں۔

« فَلَمْ يَقُلْ لَهُ شَيْئًا »[2] تو آپ ﷺ نے اسے کچھ نہیں فرمایا۔

اسی طرح "مجمع الزوائد" میں علامہ ہیثمی "طبراني كبير" کے حوالے سے ایک متکلم فیہ سند والی روایت لائے ہیں، جسے علامہ شمس الحق عظیم آبادی شارح ابو داود اپنی کتاب "إعلام أهل العصر بأحكام ركعتي الفجر" میں لائے ہیں اور اس کی تصحیح کی ہے۔ اس میں حضرت ثابت بن قیس بن شماس اپنے باپ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

« اَتَيتُ الْمَسْجِدَ، وَالنَّبِيُّ ﷺ فِي الصَّلَاةِ فَلَمَّا سَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ اِلْتَفَتَ إِلَيَّ وَأَنَا أُصَلِّيْ فَلَمَّا فَرَغْتُ قَالَ: أَلَمْ تُصَلِّيْ؟ قُلْتُ: نَعَمْ »

''میں مسجد میں آیا، جب کہ نبیِ اکرم ﷺ نماز کی حالت میں تھے، جب نبیِ اکرم ﷺ نے سلام پھیرا تو میری طرف متوجہ ہوئے، جب کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، جب میں نماز سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی؟ میں نے عرض کیا: ہاں۔''

تب آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (٢/ ٢٥٣)

[2] المحلیٰ بتحقيق ڈاكٹر عبد الغفار سليمان، طبع دار الكتب، بيروت.

«فَمَا هٰذِهِ الصَّلَاةُ»

''تو پھر یہ کون سی نماز ہے (جواب تم نے پڑھی ہے)؟۔''

میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ!

«رَكْعَتَا الْفَجْرِ، خَرَجْتُ مِنْ مَنْزِلِي وَلَمْ أَكُنْ صَلَّيْتُهُمَا»

''یہ فجر کی سنتیں تھیں، میں گھر سے نکلا تو میں نے وہ سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔''

آگے وہ بیان کرتے ہیں:

«فَلَمْ يَعِبْ ذٰلِكَ عَلَيَّ»

''(یہ سن کر) آپ ﷺ نے پھر میرے اس فعل کو معیوب نہیں کہا۔''

اس حدیث کو محدث ابو موسیٰ نے روایت کیا اور کہا ہے کہ ابن جریج نے اسے عطا بن ابی رباح کے حوالے سے قیس بن سہل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ صحیح بھی ہے۔[1]

آثار:

ایسے ہی بعض آثار سے بھی پتا چلتا ہے کہ فجر کے فرضوں کے بعد طلوعِ آفتاب سے پہلے فجر کی سنتیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں ابن جریج رحمہ اللہ امام عطاء رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

"إِذَا أَخْطَأْتَ أَنْ تَرْكَعُهَا قَبْلَ الصُّبْحِ فَارْكَعْهُمَا بَعْدَ الصُّبْحِ"[2]

''اگر فجر کی سنتیں فرضوں سے پہلے نہ پڑھ سکو تو فرضوں کے بعد پڑھ لو۔''

امام طاؤس کے فرزند اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

"إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَلَمْ تَرْكَعْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، صَلِّ مَعَ الْإِمَامِ، فَإِذَا فَرَغَ إِرْكَعْهُمَا بَعْدَ الصُّبْحِ"[3]

---

[1] إعلام أهل العصر (ص: ٢٣١)

[2] مصنف عبد الرزاق (٢/ ٤٤٢)

[3] المصدر السابق.

''جب جماعت کھڑی ہو جائے اور تم نے ابھی سنتیں نہیں پڑھیں تو امام کے ساتھ مل کر فرض پڑھ لو اور جب وہ (امام) فرضوں سے فارغ ہو تو تم وہ سنتیں پڑھ لو۔''

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"رَأَيْتُ ابْنَ جُرَيْجٍ رَكَعَهُمَا بَعْدَ الصُّبْحِ فِيْ مَسْجِدِ صَنْعَآءِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ الْإِمَامُ"[1]

''میں نے ابن جریج کو دیکھا کہ انھوں نے مسجدِ صنعاء میں اس وقت فجر کی دو سنتیں پڑھیں، جب امام نے فرضوں کا سلام پھیرا۔''

حاصل کلام یہ ہوا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر کردہ چاروں احادیث اور تینوں آثار سے صراحتاً واضح ہو گیا کہ نبیِ اکرم ﷺ کے سامنے کئی مرتبہ فرضوں کے بعد اٹھ کر فجر کی پہلی سنتیں پڑھی گئیں، مگر آپ ﷺ نے کسی پر بھی اعتراض نہیں کیا، بلکہ بعض کا تو « فَلَا إِذَنْ » کہہ کر مثبت میں جواب دیا اور بعض کی وضاحت پر کہ ''یہ سنتیں تھیں، جو میں پہلے نہیں پڑھ سکا'' آپ ﷺ خاموش ہوگئے، جو آپ ﷺ کی رضامندی کی دلیل ہے، ورنہ ناجائز کام دیکھ کر خاموشی اختیار کر لینا تو شانِ نبوت اور مقامِ رسالت کے منافی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ایسی مخصوص صورت میں فجر کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب سے پہلے یہ دو سنتیں پڑھی جاسکتی ہیں اور یہ صورت اس عمومی حکم سے مستثنیٰ ہے، جس کی رو سے یہ وقت: اوقاتِ کراہت میں سے ہے۔ یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتے جائیں کہ فجر کی سنتوں کا اصل وقت اقامت ہو جانے تک ہے۔ اگر اس وقت تک کسی وجہ سے نہ پڑھی جاسکیں تو پھر اقامت ہو جانے کے بعد جماعت کے پاس کھڑے ہو کر یہ سنتیں نہیں پڑھنی چاہییں، کیوں کہ اقامت ہو جانے کے بعد اس فرضی نماز کے سوا

---

[1] المصدر السابق.

دوسری کوئی نماز نہیں ہوتی۔ چاہے وہ فجر کی سنتیں ہی کیوں نہ ہوں، اس بات کے متعدد دلائل موجود ہیں، جن میں سے کئی احادیث و آثار بھی ہیں۔ ان کے ذکر و تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ان کا تذکرہ آگے چل کر سنن موکدہ کی تفصیلات کے ضمن میں آئے گا۔ ان شاء اللہ

فجر کے بعد سے مراد:

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ جن احادیث میں فجر کے بعد سے طلوعِ آفتاب کے وقت کو وقتِ کراہت شمار کیا گیا، وہاں حضرت سعید بن مسیّب، حمید اور اہلِ رائے کے نزدیک نمازِ فجر مراد نہیں، بلکہ "المغني لابن قدامة" میں مذکورہ صراحت کی رو سے طلوعِ فجر یعنی اذانوں کا وقت مراد ہے کہ اذانوں کے وقت سے لے طلوعِ آفتاب تک کے درمیان کوئی نفلی نماز یا سنتیں نہیں ہوتیں، سوائے فجر کی دو سنتوں کے۔[1]

جیسا کہ سنن ابی داود، ترمذی، دارقطنی، بیہقی اور مسندِ احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام یسار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے دیکھا کہ میں فجر طلوع ہو جانے کے بعد (نفلی) نماز پڑھ رہا ہوں تو فرمایا: اے یسار! نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) گھر سے ہمارے پاس مسجد میں تشریف لائے تو ہم ایسی ہی (نفلی) نماز پڑھ رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لِيُبَلِّغْ شَاهِدُكُمْ غَائِبَكُمْ: لَا تُصَلُّوا بَعْدَ الْفَجْرِ إِلَّا سَجْدَتَيْنِ»[2]

''تم میں سے جو شخص موجود ہے، وہ غیر حاضر لوگوں تک یہ بات پہنچا دے کہ فجر کے بعد دو سنتوں کے سوا کوئی (غیر فرض) نماز نہ پڑھو۔''

صاحب "إرواء الغليل" نے اس حدیث کے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے چار دیگر طُرق بھی ذکر کیے ہیں اور ان طُرق کی بنا پر اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ

[1] المغني (٢/ ٩٦۔ ٩٧) و الفتح الرباني ٢/ ٢٩٩۔ ٣٠٠)

[2] إرواء الغليل (٢/ ٢٣٣) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (١١٣٨) قيام الليل للمروزي (ص: ١٣٧)

نے بھی محلّٰی ابن حزم کی تحقیق (۳/۳۳۔۳۴) میں اسے صحیح کہا ہے۔ اسی مفہوم پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث بھی دلالت کرتی ہیں، جن کی اسانید پر بھی محدّثین کرام رحمہم اللہ نے کلام کیا ہے، لیکن سابقہ حدیث اور اس کے طُرق اور اُن دونوں احادیث کے مجموعے پر مبنی حدیث کو صحیح کہا گیا ہے۔[1]

بہر حال ان میں سے طبرانی اوسط میں مرفوعاً اور بیہقی میں مرسلاً (بسند صحیح) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کے الفاظ ہیں:

«إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ»[2]

''جب فجر طلوع ہو جائے تو پھر کوئی نماز نہیں سوائے فجر کی دو رکعتوں کے۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی مصنف ابن شیبہ، سنن دارقطنی، بیہقی، قیام اللیل مروزی، طبرانی کبیر اور مسند بزار کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«لَا صَلَاةَ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَّا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ»[3]

''طلوعِ فجر کے بعد فجر کی دو سنتوں کے سوا دوسری کوئی (غیر فرضی) نماز نہیں ہے۔''

البتہ حضرت حسن بصری، امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک یہ نہی بھی فجر کی نماز سے متعلق ہے، طلوعِ فجر سے نہیں۔[4]

طلوعِ فجر یا اذانِ فجر کے بعد عام نوافل:

ان احادیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ طلوعِ فجر یا اذانِ فجر کے بعد کی دو سنتوں اور دو فرضوں کے سوا دوسری کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص حد سے تجاوز کرتے

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: إرواء الغليل (۲/ ۲۳۲) و تحقيق المحلٰى أيضاً.

[2] تفصیل کے لیے "المغني لابن قدامة" ملاحظہ فرمائیں۔ صحيح الجامع، رقم الحديث (٦٧٨)

[3] قيام الليل للمروزي (ص: ١٣٧)

[4] دیکھیں: الإرواء (۲/ ۲۳٦)

ہوئے اس وقت عام نماز پڑھنا شروع کر دے تو وہ ثواب کے بجائے عتاب و عذاب کو آواز دینے والا ہوگا۔ چنانچہ سنن کبریٰ بیہقی میں صحیح سند کے ساتھ حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کو دیکھا، جو طلوعِ فجر کے بعد دو سنتوں کے علاوہ بھی نوافل پڑھتا ہے اور اس نفلی نماز میں بکثرت رکوع و سجود کرتا ہے، تو انھوں نے اسے فعل سے منع کیا۔ اس شخص نے کہا: اے ابومحمد:

''یُعَذِّبُنِيَ اللّٰهُ عَلَی الصَّلَاةِ؟''

''کیا اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر عذاب دے گا؟''

تو انھوں نے فرمایا:

''لَا وَلٰکِنْ یُعَذِّبُكَ عَلٰی خِلَافِ السُّنَّةِ''[1]

''نہیں (نماز پڑھنے پر تو نہیں البتہ) سنت کی خلاف ورزی کرنے پر عذاب کرے گا۔''

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کے یہ الفاظ بڑے فکر انگیز ہیں اور اگر کوئی شخص انھیں اچھی طرح سمجھ کر ذہن نشین کرے تو پھر بدعات و خرافات پر کاربند لوگوں کے بکثرت اعمال کے سلسلے میں فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے، کیوں کہ اہلِ بدعت پہلے کسی عمل کو ایجاد کرتے ہیں، پھر اسے نماز اور ذکرِ الٰہی کے طور پر پیش کر کے اس کے جائز ہونے کا ڈنڈھورا پیٹنے لگتے ہیں۔ ایسے تمام لوگوں کو حضرت ابن مسیّب رحمہ اللہ کی یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ کوئی عمل چاہے نماز اور ذِکرِ الٰہی کی قبیل ہی سے کیوں نہ ہو، جب وہ اس انداز اور اوقاتِ سنت کے مخالف ہو تو وہ ثواب کے بجائے عذاب کا موجب ہوگا۔

تحیۃ المسجد اذانِ فجر کے بعد:

یہ تو عام نوافل کے بارے میں حکم ہے، البتہ بعض محققین نے ایک شکل میں

---

[1] صحیح البخاري مع الفتح، رقم الحدیث (٤٤٤) صحیح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ٢٢٥۔ ٢٢٦) و صحیح سنن أبي داود، رقم الحدیث (٤٤٢) صحیح الجامع، رقم الحدیث (٤٦٠)

تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ادا کرنے کی اس وقت بھی اجازت دی ہے، لیکن اس شکل کو سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رہے کہ اگر فجر کی اذان سن کر کسی نے وضو کیا اور مسجد میں آیا۔ جماعت کھڑی ہونے میں ابھی کچھ وقت باقی ہے تو اسے چاہیے کہ ایسے میں وہ تحیۃ المسجد ادا کرنے میں مشغول نہ ہو، بلکہ وہ فجر کی دو سنتیں پڑھ لے، فجر کی یہی سنتیں تحیۃ المسجد سے بھی کفایت کر جائیں گی، لہٰذا علاحدہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ اس طرح ہے، جیسے حجۃ الوداع کے موقع پر نبیِ اکرم ﷺ نے مسجد حرام میں داخل ہو کر طواف شروع کر دیا تھا۔ تحیۃ المسجد کی نماز بھی اس میں شامل ہوگئی تھی۔ البتہ اگر کوئی شخص صبح کی دو سنتیں گھر میں ادا کر کے مسجد میں آتا ہے اور جماعت کھڑی ہونے میں ابھی کچھ وقفہ ہے تو وہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھ کر ہی بیٹھے، کیوں کہ صحیح بخاری مسلم اور سنن ابی داود میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ہے:

« إِذَا جَآءَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيُصَلِّ سَجْدَتَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّجْلِسَ »

''جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو چاہیے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے۔''

اِس حدیث کے عموم کی رو سے ایسا شخص اس وقت بھی دو رکعتیں پڑھ سکتا ہے، بلکہ اس حدیث کے عموم کے پیشِ نظر تمام اوقاتِ مکروہہ میں ان دو رکعتوں کی اجازت دی گئی ہے، اس موضوع کی تفصیل ''تحیۃ المسجد'' کے ضمن میں آتی ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نبیِ اکرم ﷺ سے قبل از فرائض اذانِ فجر کے بعد صرف دو سنتیں ہی ثابت ہیں، لہٰذا تحیۃ المسجد کی یہ دو رکعتیں اس سنت پر اضافہ ہوں گی، جو صحیح نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اضافہ اس صورت میں ہوگا، جب نئے سرے سے کوئی یہ دو رکعتیں پڑھنے لگے، یعنی مسجد میں بیٹھا تھا، پھر کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھنے لگا اور پھر سنتیں

پڑھیں، جب کہ اذان ہو چکی ہے۔ اس طرح تو یہ ناجائز ہے، لیکن اگر دخولِ مسجد کی وجہ سے ادا کرے تو یہ نماز ہوگی جو جائز ہے، جیسے باہر سے آنے والا تحیۃ المسجد ادا کرتا ہے۔

ہمارے استاذ شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ صاحب مدنی ﷾ کا فتویٰ بھی یہی ہے، جو ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (جلد ۴۲، شمارہ ۳۹، بابت ۲۸ ستمبر ۱۹۹۰ء الموفق ربیع الاول ۱۴۱۱ھ) میں شائع ہو چکا ہے۔

اور ''الکافي'' لابن عبدالبر میں ہے:

''وَمَنْ أَتَى الْمَسْجِدَ وَقَدْ رَكَعَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فِيْ بَيْتِهِ، فَإِنْ شَآءَ رَكَعَ الرَّكْعَتَيْنِ تَحِيَّةَ الْمَسْجِدِ وَإِنْ شَآءَ جَلَسَ وَكُلُّ ذٰلِكَ مَبَاحٌ لَهٗ وَقَدْ قِيْلَ لَا يَرْكَعُهُمَا، وَكِلَاهُمَا صَحِيْحٌ عَنْ مَالِكٍ، وَالْأُوْلٰى أَوْلٰى وَأَحْفَظُ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ''[1]

''جو شخص گھر میں صبح کی دو رکعتیں، یعنی سنتیں پڑھ کر مسجد میں آئے۔ اگر وہ چاہے تو تحیۃ المسجد پڑھ لے اور اگر چاہے تو بغیر (تحیۃ المسجد) پڑھے (مسجد میں) بیٹھ جائے۔ یہ سب کچھ اس کے لیے مباح و جائز ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ تحیۃ المسجد پڑھ لے۔ یہ دونوں (عمل) امام مالک کے نزدیک صحیح ہیں اور پہلی بات (تحیۃ المسجد کو پڑھنا) زیادہ بہتر اور زیادہ محفوظ ہے، اِن شاء اللہ۔''

نمازِ وتر، طلوعِ فجر کے بعد:

طلوعِ صبح صادق کے بعد اور نمازِ فجر سے پہلے پہلے عام نوافل ادا کرنے میں اگرچہ حضرت حسن بصری، امام شافعی ﷫ اور علامہ ابن حزم ﷭ کے نزدیک جائز ہے، لیکن اس سلسلے میں صحیح ترین بات وہی ہے، جو ذکر کی چکی ہے کہ فجر کی سنتوں یا ایک مخصوص شکل

[1] الکافي لابن عبد البر (۱/ ۱۹۶) تحقیق ڈاکٹر محمد محمد مور یتاني. طبع مکتبة الریاض الحدیثة.

میں تحیۃ المسجد کے علاوہ عام نوافل جائز نہیں ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے طلوعِ فجر کے بعد وتر ادا کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور دلیل کے طور پر کئی آثار نقل کیے ہیں، مثلاً: ان کے بلاغات میں سے ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، قاسم بن محمد اور حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رحمہم اللہ نے طلوعِ فجر کے بعد وتر پڑھے۔[1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''مَا أُبَالِيْ لَوْ أُقِيمَتْ صَلَاةُ الصُّبْحِ وَأَنَا أُوتِرُ''[2]

''میں اس بات کی پروانہیں کرتا کہ صبح کی اقامت ہو جائے، جب کہ میں وتر پڑھ رہا ہوں۔''

یحیٰ بن سعید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

''كَانَ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ يَؤُمُّ قَوْمًا فَخَرَجَ يَوْمًا إِلٰى الصُّبْحِ فَأَقَامَ الْمُؤَذِّنُ صَلَاةَ الصُّبْحِ فَأَسْكَتَهُ عُبَادَةُ حَتّٰى أَوْتَرَ، ثُمَّ صَلّٰى بِهِمُ الصُّبْحَ''[3]

''حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ قوم کی امامت کرواتے تھے۔ ایک دن وہ فجر کے لیے آئے تو موذن نے اقامت کہہ دی۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے اسے خاموش کر دیا اور وتر پڑھے۔ پھر صبح کی نماز پڑھائی۔''

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے:

''إِنَّ عَبَّاسٍ رَقَدَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَقَالَ لِخَادِمِهٖ: أُنْظُرْ مَا ذَا صَنَعَ النَّاسُ؟ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ قَدْ ذَهَبَ بَصَرُهُ، فَذَهَبَ الْخَادِمُ، ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ: قَدِ انْصَرَفَ مِنَ الصُّبْحِ فَقَامَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَأَوْتَرَ ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ''[4]

---

[1] الموطأ مع التنوير (١/ ١/ ١٤٧)
[2] حوالا بالا
[3] حوالا بالا.
[4] حواله باله.

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سو گئے اور پھر بیدار ہوئے، پھر انھوں نے اپنے خادم سے کہا کہ جاؤ دیکھو! لوگوں نے کیا کیا ہے؟ ان دنوں ان کی آنکھوں کی بصارت ختم ہوچکی تھی۔ خادم گیا اور آ کر اس نے بتایا کہ لوگ فجر کی نماز ادا کر چکے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اٹھے، انھوں نے پہلے نمازِ وتر پڑھی اور پھر نمازِ فجر ادا کی۔''

ایسے ہی بعض مرفوع آثار بھی ہیں۔ مثلاً سنن ابی داود، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد اور مستدرکِ حاکم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

«مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ أَوْ نَسِيَهُ فَلْيُوْتِرْ إِذَا ذَكَرَهُ أَوْ إِذَا اسْتَيْقَظَ»[1]

''جس کے وتر نیند یا بھول جانے کی وجہ سے رہ جائیں، جب اسے یاد آ جائیں یا وہ نیند سے بیدار ہو جائے تو وتر پڑھ لے۔''

اسی طرح مسند احمد اور طبرانی اوسط میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصْبِحُ فَيُوْتِرُ»

''رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔''

سنن بیہقی اور مستدرک حاکم (وصححہ) میں حضرت ابو داود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«رُبَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُوْتِرُ وَقَدْ قَامَ النَّاسُ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ»[2]

''کبھی کبھار میں رسول اللہ ﷺ کو وتر پڑھتے دیکھتا، جب کہ لوگ نمازِ فجر کے لیے کھڑے ہو گئے ہوتے۔''

---

[1] الفتح الرباني (٢/ ٣١٢) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (١٢٦٨) صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٨٦) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٨٨) وقال حاكم صحيح على شرط الشيخين وصححه العراقي إسناد طريق أبي داود.

[2] حواله بالا، و الإرواء (٢/ ١٥٥)

عصر کے بعد قضاے فوائت و فرائض اور سنن راتبہ:

مستثنیٰ صورتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نمازِ عصر کے بعد فوت شدہ نمازیں فرض ہوں یا عام، سبھی نمازیں ہوں یا پھر سننِ رواتب، ان کی قضا دی جاسکتی ہے، جیسا کہ نبیِ اکرم ﷺ سے یہ ثابت ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری "بابَ ما صلَّیٰ بعد العصر من الفوائت و نحوها" کے ترجمہ میں تعلیقاً اور مختصراً، اسی طرح "باب إذا کُلِّمَ وهو یصلّي فَأَشَارَ بیده" میں موصولاً اور تفصیلاً روایت ہے، جو بخاری شریف کے علاوہ صحیح مسلم، سنن ابی داود و دارمی اور معانی الآثار طحاوی میں بھی ہے۔ یہ حدیث تو طویل ہے، البتہ اس میں یہ بھی ہے کہ اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبیِ اکرم ﷺ کو نمازِ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو ایک لڑکی کو بھیجا کہ پوچھ کر آؤ کہ آپ ﷺ تو ان دو رکعتوں سے روکتے ہیں اور میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ ﷺ خود پڑھ رہے ہیں؟ اس لڑکی نے امُ المومنین رضی اللہ عنہا کا یہ پیغام آپ ﷺ کو نماز کے دوران ہی سُنا دیا تو آپ ﷺ نے اسے اپنے دستِ مبارک سے اشارہ کیا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔ جب آپ ﷺ نماز پڑھ چکے تو فرمایا:

«يَا بِنْتَ أَبِي أُمَيَّةَ! سَأَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَإِنَّهُ أَتَانِي نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَشَغَلُوْنِي عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ الَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَهُمَا هَاتَانِ»[1]

''اے ابو اُمیہ کی بیٹی! تم نے عصر کے بعد دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا ہے۔ میرے پاس بنوعبد القیس کے کچھ لوگ آئے تھے تو انھوں نے مجھے ظہر کے بعد والی دو رکعتوں سے مشغول کر دیا تھا۔ یہ دو رکعتیں (جو میں نے اب

[1] صحیح البخاري مع الفتح (٢/ ٦٣، ٣/ ١٠٥) صحیح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٦/ ١١٩۔ ١٢١) صحیح سنن أبي داود، رقم الحدیث (١١٣٤) الإرواء (٢/ ١٨٧) صحیح الجامع (٣/ ٦/ ٦٨٦)

پڑھی ہیں) وہی تھیں۔''

اس حدیث کا دوسرا طریق سنن نسائی اور مسند احمد میں ہے، جس کی سند کو بھی صحیح قرار دیا گیا ہے۔[1] اس طریقِ روایت میں بنو عبد القیس کے بجائے بنو تمیم ہے اور معانی الآثار طحاوی میں بھی بنو تمیم کی روایت ہے۔ حافظ عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ بنو عبدالقیس ہی صحیح ہے اور بنو تمیم کی روایت غلط ہے۔[2]

اسی موضوع کی ایک حدیث صحیح بخاری و مسلم، سنن نسائی اور مسند احمد میں اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے، جس میں وہ بیان فرماتی ہیں:

«رَكْعَتَانِ لَمْ يَكُنْ يَدَعُهُمَا سِرًّا وَلَا عَلَانِيَةً رَكْعَتَانِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْعَصْرِ»[3]

''دو رکعتیں نبیِ اکرم ﷺ درپردہ اور علانیہ کسی طرح بھی نہیں چھوڑا کرتے تھے۔ دو رکعتیں فجر کے فرضوں سے پہلے اور دو رکعتیں نمازِ عصر کے بعد۔''

بخاری شریف کی ایک روایت میں وہ فرماتی ہیں:

«وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيهِمَا وَلَا يُصَلِّيهِمَا فِي الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ أَنْ يُثَقِّلَ عَلٰى أُمَّتِهٖ وَكَانَ يُحِبُّ مَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ»[4]

''نبیِ اکرم ﷺ یہ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے، مگر مسجد میں نہیں پڑھا کرتے تھے، تاکہ امت کے لیے بوجھ نہ بن جائیں اور آپ ﷺ اس چیز کو پسند فرماتے تھے، جو آپ ﷺ کی امت کے لیے ہلکی پھلکی ہو۔''

---

[1] إرواء الغليل (٢/ ١٨٨)

[2] فتح الباري (٣/ ١٠٦)

[3] صحيح البخاري (٢/ ٦٤) صحيح مسلم (٣/ ٦/ ١٢٢) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٦٢) الإرواء (٢/ ١٨٨۔ ١٨٩)

[4] حواله بالا

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عصر کے بعد فوت شدہ فرضی نمازوں اور سننِ راتبہ یعنی سنن موکدہ کی قضا دی جا سکتی ہے اور یہ عصر کے بعد والے وقتِ کراہت سے ایک مستثنیٰ صورت ہے۔

دوامِ عمل یکے از خصائصِ مصطفیٰ ﷺ:

نبیِ اکرم ﷺ کی یہ دو سنتیں تو ایک بار قضا ہوئی تھیں، لیکن آپ ﷺ ان احادیث کی رو سے پھر ہمیشہ ہی دو رکعتیں عصر کے بعد پڑھا کرتے تھے، اگر چہ اس دن سے پہلے ایسا نہیں کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث سے پتا چلتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جس دن نمازِ ظہر کی آخری دو سنتیں قضا ہوئی تھیں، اس دن تو آپ ﷺ نے ان کی قضا دی، پھر بعد میں کیوں پڑھا کرتے تھے؟ تو اس کا جواب صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں موجود ہے، جس میں وہ ارشاد فرماتی ہیں:

«كانَ إِذَا صلّٰى صَلَاةً أَثْبَتَهَا»[1]

''نبیِ اکرم ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تو پھر اس پر ہمیشگی اختیار کرتے تھے۔''

گویا یہ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ اور آپ ﷺ کے خصائص میں سے تھا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ بعد کی سنتوں کو ادا کرنے پر دوام اور ہمیشگی تو آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ البتہ ایسی موکدہ سنتوں کی اوقاتِ کراہت میں قضا کو آپ ﷺ نے خصائص میں سے نہیں بتایا، بلکہ آپ ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ یہ ظہر کی دو سنتیں ہیں اور یہ نہیں فرمایا کہ یہ فعل صرف میرے ہی ساتھ خاص ہے اور آپ ﷺ کا سکوت فرمانا جوازِ اقتدا کی اظہر دلیل ہے۔[2]

حافظ ابن حجر نے ''فتح الباري'' میں لکھا ہے کہ ان احادیث کی بنا پر اہلِ علم کے

---

[1] صحيح مسلم (٣/ ٦/ ١٢٢) صحيح الجامع (٢/ ٤/ ٢٢٥)

[2] شرح صحيح مسلم للنووي (٣/ ٦/ ١٢١)

تین مختلف نظریات ہیں:

① اوقاتِ مکروہہ میں فوت شدہ نمازوں کی قضا دی جا سکتی ہے۔

② یہ فعل نبیِ اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

③ جس شخص کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آ جائے، جیسا کہ آپ ﷺ کو پیش آیا تھا تو یہ اسی کے ساتھ خاص ہے۔[1]

ایک دوسرے مقام ”باب ما یصلیٰ بعد العصر من الفوائت ونحوھا“ میں واردشدہ احادیثِ بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ ان احادیث کو ان علما نے بھی بنیاد بنایا ہے، جو کہتے ہیں کہ نمازِ عصر کے بعد مطلقاً نوافل جائز ہیں، جب تک کہ غروبِ آفتاب کے وقت نماز کا قصد نہ ہو (اور ہم اس سند میں مختلف مذاہب نقل کر چکے ہیں) اور جن کے نزدیک اس وقت مطلقاً نوافل مکروہ ہیں، انھوں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فعلِ گرامی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر سنن موکدہ میں سے کوئی چیز رہ جائے تو اسے بلا کراہت ان اوقات مکروہہ میں قضا کیا جاسکتا ہے۔ رہا آپ ﷺ کا ان دو رکعتوں پر ہمیشگی کرنا تو یہ آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث «كَانَ إِذَا صَلَّى صَلَاةً أَثْبَتَهَا» سے پتا چلتا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دو رکعتوں کے عصر کے بعد ادا کرنے پر ہمیشگی کرنا تو یہ آپ ﷺ کے خصائص میں سے تھا نہ کہ اصل قضا کرنا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام حضرت ذکوان نے جو روایت بیان کی ہے (جو مسند احمد اور معانی الآثار طحاوی میں مروی ہے) کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبیِ اکرم ﷺ سے پوچھا:

«أَنَقْضِيهِمَا إِذَا فَاتَتَا؟»

”(اگر کبھی) ہم سے بھی یہ دو سنتیں رہ جائیں تو کیا ہم بھی ان کی قضا دیں؟“

---

[1] فتح الباري (٣/ ٦/ ١٢١)

تو آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا» ''نہیں۔''

یہ روایت ضعیف ہے، جس سے حجت قائم نہیں ہوتی۔ امام بیہقی رحمہ اللہ کا یہ کلام نقل کرنے کے بعد حافظ عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ طحاوی رحمہ اللہ نے یہ روایت بیان کی ہے اور اس سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ یہ (دو سنتیں قضا کرنا) آپ ﷺ کے خصائص میں سے تھا، لیکن اس پر کلام کیا گیا ہے۔[1]

تحقیقِ روایت:

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کر کے ضعیف اور نا قابلِ حجت قرار دیا ہے اور امام طحاوی کی تخریج کا حوالہ دے کر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس روایت سے استدلال کے ضُعف پر اشارتاً کلام کیا ہے۔ وہ روایت نہ صرف یہ کہ معانی الآثار طحاوی میں ہے، بلکہ صحیح ابن حبان (۶۲۳۔الموارد) سے اس کا ضُعف واضح کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ اس میں اُم المومنین حضرت اُمِّ سلمہ اور حضرت ذکوان کے مابین انقطاع پایا جاتا ہے اور دوسرے یہ کہ اس کے ایک راوی حماد سے آگے بیان کیا ہے۔ لہٰذا یہ الفاظ شاذ ہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ حدیث سنن نسائی اور مسند احمد میں کئی طُرق سے حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، لیکن ان میں سے کسی میں بھی یہ اضافی الفاظ نہیں ہیں۔[2]

ان الفاظ پر مشتمل حدیث کو علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے منکر قرار دیا ہے، کیوں کہ ان کے بقول حماد بن سلمہ کی کتب میں یہ حدیث موجود ہی نہیں ہے، نیز یہ منقطع بھی ہے اور ذکوان نے اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنا، پھر انھوں نے آگے اس کی دلیل بھی ذکر کی ہے۔[3]

علامہ ابن باز کی نگرانی میں فتح الباری کی جو تحقیق شائع ہوئی ہے، اس میں لکھا ہے

---

[1] فتح الباري (٢/ ٦٤۔ ٦٥)

[2] إرواء الغليل (٢/ ١٨٨)

[3] المحلی (٢/ ٢٧١)

کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ذکوان والی حدیث کو ضعیف کہا ہے (جسے حافظ عسقلانی اور علامہ البانی نے بھی ضعیف قرار دیا ہے) وہ ایسے (ضعیف) نہیں ہے، بلکہ اس کی سند حسن درجے کی ہے۔[1]

فتح الباری کی اس تحقیق میں جو بات کہی گئی ہے، اس کی کچھ تائید سنن ابو داود کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں حضرت ذکوان ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ان سے کہا:

«إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ بَعْدَ الْعَصْرِ، وَيَنْهَىٰ عَنْهَا، وَيُوَاصِلُ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْوِصَالِ»[2]

''نبی اکرم ﷺ نمازِ عصر کے بعد خود تو (یہ دو رکعتیں) پڑھا کرتے تھے، لیکن دوسروں کو اس سے روکتے تھے اور آپ ﷺ (افطاری ترک کر کے روزوں کے مابین) وصال کیا کرتے تھے، لیکن دوسروں کو وصال کرنے سے روکتے تھے۔''

اس حدیث کی سند کے تمام راوی تو ثقہ ہیں، لیکن محمد بن اسحاق مدلّس ہیں اور انھوں نے عنعنہ سے یہ روایت بیان کی ہے۔[3]

اگر کوئی مدلّس راوی عنعنہ سے روایت بیان کرے تو محدّثین اسے ضعیف شمار کرتے ہیں اور اگر وہ تحدیث کی صراحت کر دے تو پھر تدلیس کی وجہ سے پیدا شدہ ضعف ختم ہوتا ہے، لیکن اس حدیث میں ایسا نہیں ہے، بلکہ حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کو منکر کہا گیا ہے، کیوں کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح سند کے ساتھ مسند احمد (۶/ ۱۳۵) میں مروی ہے کہ جب ان سے عصر کے بعد نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے اس کی اجازت دی۔

[1] تحقیق فتح الباري (۲/ ٦٥)

[2] دیکھیں: الإرواء (۲/ ۱۸۹)

[3] حوالہ سابقہ و نیل الأوطار (۲/ ۳/ ۹۲)

نیز صحیح بخاری میں یہ ثابت ہے کہ وہ خود عصر کے بعد نماز پڑھا کرتی تھیں۔

یہ امور اس بات کی دلیل ہیں کہ ابن اسحاق والی اس روایت میں خطا اور نکارت پائی جاتی ہے۔ یہ تو عصر کے بعد نماز پڑھنے کی نسبت سے ہے، البتہ اسی حدیث کا دوسرا حصہ جو روزوں میں وصال کرنے کی ممانعت کے بارے میں ہے تو وہ صحیحین میں متعدد صحابہ کرام سے مروی احادیث سے ثابت ہے اور جہاں تک عصر کے بعد نماز کا تعلق ہے تو اس کی ممانعت اس سے ثابت نہیں ہوتی، کیوں کہ یہ منکر اور نا قابلِ حجت ہے، پھر یہ حدیث بتاتی ہے کہ خود نبیِ اکرم ﷺ کے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے بعد یہ ممانعت صادر ہوئی، جب کہ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی وفد بنی عبدالقیس والی صحیحین کی سابق میں ذکر کردہ حدیث سے پتا چلتا ہے کہ مما نعت کا صدور پہلے سے تھا اور آپ ﷺ نے وہ دو رکعتیں اس کے بعد پڑھی تھیں۔

اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ عصر کے بعد ظہر کی دو رکعتوں کی قضا کا حکم منسوخ بھی نہیں ہوا ہے۔ "إعلام أهل العصر بأحكام ركعتي الفجر" میں علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے ان احادیث کے ضعف و انکار کے علاوہ بعض دیگر اسباب و علل بھی ذکر کیے ہیں۔

مختصر یہ کہ نماز عصر کے بعد فوت شدہ نماز کی قضا کی مشروعیت واضح ہے اور از روے دلیل یہی راجح ہے اور خصائص کے ساتھ مربوط کرنے والی مذکورہ دونوں روایات منکر ہیں۔[1]

عدمِ اطلاق:

یہاں یہ بات بھی ذکر کرتے جائیں کہ جن احادیث میں عصر کے بعد نماز کی ممانعت آئی ہے، وہاں بعض محققین کے نزدیک مطلق ممانعت مراد نہیں، بلکہ وہاں سورج کے زرد پڑ جانے اور غروب ہونے کے قریب ہونے کے اوقات کی ممانعت مراد ہے، اس قید

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: السلسلة الضعيفة (۲/ ۳۵۱۔ ۳۵۲) اس میں حافظ ابن حزم، ابن حجر اور شوکانی کے کلام پر نقد کیا گیا ہے۔

کا پتا بھی بعض صحیح احادیث اور آثارِ صحابہ سے چلتا ہے، جیسا کہ سنن ابو داود ونسائی، صحیح ابن حبان و ابن خزیمہ، مسند احمد و طیالسی، منتقیٰ ابن جارود، الاحادیث المختار للضیاء المقدسی، مسند ابی یعلی، سنن کبریٰ بیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ اور محلی ابن حزم میں صحیح وقوی سند کے ساتھ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«نَهٰى عَنِ الصَّلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَّا وَالشَّمْسُ (بَيْضَاءُ) مُرْتَفِعَةٌ»[1]

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد (نفل) پڑھنے سے منع فرمایا، سوائے اس کے کہ جب تک سورج سفید اور کافی بلند ہو، یعنی ابھی زردی مائل نہ ہوا ہو تو اس وقت تک گنجایش ہے۔''

اس حدیث کو ''المحلی'' میں علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے، ''طرح التثریب'' میں حافظ عراقی رحمہ اللہ نے اور ''فتح الباري'' میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔[2]

ایسے ہی اس حدیث کا ایک دوسرا طریق بھی ہے جو مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ (۲/ ۲٦۵۔ تحقیق عظمی) اور مسند ابی یعلی میں ہے، جس کی سند کو بعض کبار محدّثین نے جید قرار دیا ہے۔ اس سے بھی پہلے طریق کو قوت ملتی ہے۔ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نبوی کے الفاظ یہ ہیں:

«لَا تُصَلُّوا بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَّا أَنْ تُصَلُّوا وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ»[3]

''عصر کے بعد نماز نہ پڑھو، سوائے اس کے کہ سورج ابھی بلند ہو، یعنی زرد نہ ہوا ہو۔''

---

[1] صحيح ابن حبان (الموارد) بحواله السلسلة الصحيحة (١/ ٣٤١) فتح الباري (٢/ ٦١۔ ٦٣) الإرواء (٢/ ٢٣٧) صحيح ابن خزيمة (٢/ ٢٦٥) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (١١٣٥) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٥٨)

[2] السلسلة الصحيحة (١/ ٣٤٤)

[3] السلسلة الصحيحة (١/ ٣٤٤) صحيح ابن خزيمة (٢/ ٢٦٥)

اس حدیث کی شاہد ایک دوسری حدیث بھی ہے، جو مسند ابی یعلیٰ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس کی سند کو حسن قرار دیا گیا ہے۔ اس میں ارشادِ نبوی ہے:

«لَا تُصَلُّوْا عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ، وَلَا عِنْدَ غُرُوْبِهَا فَإِنَّهَا تَطْلُعُ وَتَغْرُبُ عَلٰى قَرْنِ شَيْطَانٍ، وَصَلُّوْا بَيْنَ ذٰلِكَ مَا شِئْتُمْ»[1]

''سورج کے طلوع ہوتے وقت اور اس کے غروب ہوتے وقت نماز مت پڑھو، کیوں کہ سورج شیطان کے سینگوں پر طلوع ہوتا اور غروب ہوتا ہے اور اس کے مابین جو چاہو پڑھو۔''

سورج کے شیطان کے سینگوں پر طلوع یا غروب ہونے سے کیا مراد ہے۔ اس سلسلے میں اہلِ علم نے کافی کچھ کہا ہے، مختصر یہ کہ ان اوقات میں شیطان اپنے سینگ افق کے اس مقام پر سورج کے سامنے کر دیتا ہے، جہاں اس کے غروب یا طلوع ہو جانے کا مقام ہے اور سورج کی پرستش کرنے والے چونکہ اس وقت سورج کی پوجا کرتے اور اسے سجدہ کرتے ہیں تو شیطان یہ باور کراتا ہے کہ یہ لوگ مجھے سجدہ کر رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ عین طلوع و غروب کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، تاکہ سورج پرستوں سے مشابہت نہ ہونے پائے اور شیطان کی ہوا نہ بندھے۔ یہ وجہ احادیث میں بھی مذکور ہے، جو آگے چل کر آئے گی۔ البتہ مجبوری کی شکل اس سے مستثنیٰ ہے، جس کی تفصیل بھی آگے چل کر آئے گی۔ طلوع و غروب جیسا معاملہ تب بھی ہے، جب سورج عین سر پر ہو۔

بہر حال جو احادیث ابھی ہم نے ذکر کی ہیں، ان سے معلوم ہوا کہ عصر کے بعد نماز کی ممانعت والی احادیث مطلق ہیں اور ان احادیث سے ان کی تقیید ہو جاتی ہے، جن میں عصر سے لے کر غروب تک نماز کی ممانعت آئی ہے، انھیں سورج کے زرد پڑ جانے سے لے کر اس کے غروب ہونے تک کے وقت پر محمول کرنا پڑے گا۔

---

[1] السلسلة الصحيحة (١/ ٥٦)

حافظ عراقی رحمہ اللہ کے بقول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہی مسلک تھا کہ سورج کے زرد پڑ جانے تک نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے اور دیگر محدّثین میں سے امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کا بھی اختیار یہی ہے، جیسا کہ ان کی تبویب (۲/ ۲۶۵) سے ظاہر ہے۔ دورِ حاضر کے معروف محدث علامہ البانی نے بھی اس اس کی تائید کی ہے۔[1]

اس مسلک کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے ثابت ہے کہ وہ نمازِ عصر کے بعد دو رکعات پڑھا کرتے تھے، حتیٰ کہ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے "المحلی" میں چاروں خلفاے راشدین اور متعدد کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے اسماے گرامی ذکر کیے ہیں، جو عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ جسے تفصیل مطلوب ہو، وہ محلی ابن حزم دیکھ سکتا ہے۔[2]

یہ تو عصر کے بعد دو رکعتوں سے متعلق ہوا، جب کہ موذنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے "المحلّی" ہی میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"لَمْ يُنْهَ عَنِ الصَّلَاةِ إِلَّا عِنْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ"[3]

''عصر کے بعد نماز سے منع نہیں کیا گیا، سوائے غروب آفتاب کے قریبی وقت کے۔''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی اس اثر سے اصل موضوع کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

عصر کے بعد سے مراد:

اس اطلاق و تقیید کی بحث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نمازِ عصر کے بعد والی ممانعت مطلق نہیں ہے، بلکہ سورج کے بلند نہ ہونے یا زرد ہو جانے سے مقید ہے، جیسا کہ بعض

---

[1] السلسلة الصحيحة (١/ ٣٤٤_ ٥٦١)

[2] المحلیّ (٣/ ٢_ ٧)

[3] المحلّی (٣/ ٤)

کبار ائمہ کا مسلک ہے۔

ہاں اگر اسے معروف فقہی مسلک کے مطابق مطلقاً ممنوع ہی مان لیا جائے کہ عصر کے بعد نوافل وغیرہ مطلقاً منع ہیں، سورج بلند ہو یا زرد ہو چکا ہو تو اس اطلاق وعموم کی صورت میں اس ممانعت کا تعلق نمازِ عصر ادا کرنے سے ہوگا نہ کہ دخولِ وقت سے، کیوں کہ فجر کے ساتھ تعلق رکھنے والی ممانعت کو دخولِ وقت سے متعلق قرار دیا گیا ہے کہ طلوعِ فجر کے بعد نفلی نماز منع ہے۔ سوائے دو سنتوں کے، لیکن عصر کے سلسلے میں اہلِ علم نے وضاحت کی ہے کہ اس کا تعلق وقت کے داخل ہو جانے سے نہیں، بلکہ نمازِ عصر کے ادا کر لینے سے ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی شخص نے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی، اگرچہ عصر کا وقت کب سے ہو چکا ہے تو وہ شخص تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد یا عام نوافل پڑھ سکتا ہے اور جب وہ عصر پڑھ لے گا تو پھر اس کے لیے نوافل کی ممانعت ہوگی۔ اس طرح فجر اور عصر سے متعلقہ ممانعت کے مابین فرق ہوگیا۔ عصر سے متعلقہ ممانعت نماز کے ساتھ خاص ہونے کے بارے میں امام ابن قدامہ رحمہ اللہ "المغني" میں لکھتے ہیں کہ اہلِ علم مطلقاً نمازِ عصر کے بعد نوافل کی ممانعت کے قائل ہیں۔ اس سلسلے میں علما کا کوئی اختلاف ہمارے علم میں نہیں ہے۔[1]

اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کے نزدیک تمام علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اطلاق ممانعت کی شکل میں اس کا حکم نماز ادا کرنے کے بعد سے تعلق رکھتا ہے۔ محض عصر کا وقت ہو جانے سے نہیں۔

نمازِ طواف:

انھی مستثنیٰ نمازوں میں سے طواف بیت اللہ کے بعد پڑھی جانے والی دو رکعتیں، یعنی نمازِ طواف بھی ہے، جسے ان ممنوع اوقات میں بھی پڑھا جا سکتا ہے، کیوں کہ سننِ اربعہ،

---

[1] المغني (٢/ ١٦) تحقيق محمد خليل هراس، طبع مصر.

صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم اور مسند احمد میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متولیانِ کعبہ بنی عبدِ مناف سے مخاطب ہوکر فرمایا:

《يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! لَا تَمْنَعُوْا أَحَداً طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلّٰى أَيَّةَ سَاعَةٍ شَآءَ مِنْ لَّيْلٍ أَوْ نَهَارٍ》[1]

''اے بنی عبدِ مناف! کسی ایسے شخص کو مت روکو، جو بیت اللہ کا طواف کرے یا نماز پڑھے، دن کا وقت ہو یا رات کا۔''

سوئے رہ جانے یا بھول جانے والے کی نماز:

یہی معاملہ اس شخص کا بھی ہے، جو سویا رہ جائے یا اسے سرے سے نماز بھول جائے اور یاد نہ رہے کہ اس نے فلاں نماز ابھی ادا ہی نہیں کی۔ ایسا شخص ان تمام اوقاتِ مکروہہ میں بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔ جیسا کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے پتا چلتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، صحیح ابن حبان، سنن اربعہ، دارمی، بیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند احمد اور معانی الاثار طحاوی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

《مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَهَا، لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذٰلِكَ》

''جو شخص کوئی نماز بھول جائے تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ یاد آتے ہی اسے پڑھ لے۔''

آخر میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت طٰہٰ (آیت: ۱۴) کی تلاوت کی، جس میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴾ ''اور نماز قائم کر میرے ذکر کے لیے۔''[2]

---

[1] صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (١٦٦٨) صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (٦٨٨) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٧٠) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٢٥٤) صحيح ابن حبان (الموارد)، رقم الحديث (٦٢٦) صحيح الجامع (٣/ ٦/ ٢٨٦)

[2] صحيح البخاري مع الفتح، رقم الحديث (٥١٧)

یہ بخاری شریف کے الفاظ ہیں، جب کہ مسلم شریف میں ہے:

«إِذَا رَقَدَ أَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ غَفَلَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، فَإِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ: ﴿ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴾» [1]

''اگر تم میں سے کوئی نماز سے سو یا رہ جائے یا اس سے غافل رہے تو یاد آتے ہی اسے پڑھ لے۔ ارشادِ الٰہی ہے: میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو۔''

صحیح مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے:

«مَنْ نَسِيَ صَلاةً أَوْ نَامَ عَنْهَا، فَكَفَّارَتُها أَن يُّصَلِّيَهَا إِذَا ذَكَرَهَا»

''جو شخص کوئی نماز بھول جائے یا اس سے سو یا رہ جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ یاد آتے ہی اسے پڑھ لے۔''

اس بات پر اہلِ علم میں اختلافِ رائے ہے کہ قرآن کریم کی آیت کے مذکورہ بالا الفاظ خود نبیِ اکرم ﷺ پڑھے تھے یا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرنے والے راوی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہے ہیں؟ صحیح بخاری کے الفاظ میں تو اس کی صراحت نہیں، البتہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں، جب کہ ہم نے جو پہلی روایت ذکر کی ہے، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ الفاظ خود نبی اکرم ﷺ ہی نے تلاوت فرمائے تھے۔ راوی کی طرف سے نہیں ہیں۔

بخاری شریف والی حدیث کے ترجمہ میں مَیں نے ان الفاظ کو نبیِ اکرم ﷺ کی طرف اسی بنا پر منسوب کیا ہے اور صحیح مسلم والی روایت کو ''فتح الباري'' میں نقل کر کے حافظ عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی یہی رائے اختیار کی ہے کہ ظاہر بات یہی ہے کہ یہ سارے الفاظ (بہ شمول الفاظِ آیت) نبیِ اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک ہی سے صادر شدہ ہیں۔ [2]

---

[1] صحیح مسلم مع شرح النووي (۳/ ۵/ ۱۹۳)

[2] فتح الباري (۲/ ۷۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیثِ رسول ﷺ کے علاوہ یہی مفہوم اس واقعہ کے بارے میں مروی حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے آخری الفاظ میں بھی ہے، جس میں مذکور ہے کہ غزوہ خیبر سے واپسی پر راستے میں نبیِ اکرم ﷺ اور پورا اسلامی لشکر نمازِ فجر سے سویا رہ گیا، حتیٰ کہ سورج کی گرمی نے انھیں اُٹھایا، پھر وہاں سے تھوڑا آگے جا کر باجماعت نماز ادا کی گئی اور جب نماز ادا کر لی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ نَسِيَ الصَّلَاةَ فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَىٰ قَالَ: أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِيْ»

معنیٰ اس حدیث کا بھی وہی ہے جو پہلی حدیثِ انس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ یہ حدیث و واقعہ صحیح مسلم، سنن ابو داود، ترمذی، نسائی، بیہقی، ابن ماجہ اور صحیح ابوعوانہ میں ہے اور امام مالک نے اسے موطا میں سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت کیا ہے، جب کہ یہ صحیح یہ ہے کہ یہ موصول حدیث ہے۔[1]

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح سند سے یہی واقعہ مروی ہے، مگر انتہائی اختصار کے ساتھ ہے اور اس کے آخر میں ارشاد نبوی کے الفاظ ہیں:

''جو شخص نماز سے سویا رہ جائے یا بھول ہی جائے تو وہ یاد آنے پر پڑھ لے یا جب سو کر اٹھے تو پڑھ لے۔''

ایسا ہی واقعہ سنن ابی داود، مسند طیالسی، مسند احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، جس میں غزوہ حدیبیہ مذکور ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«وَافْعَلُوْا كَمَا كُنْتُمْ تَفْعَلُوْنَ، قَالَ كَذٰلِكَ لِمَنْ نَّامَ أَوْ نَسِيَ»[2]

---

[1] إرواء الغليل (١/ ٢٩٢)

[2] صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٣٠) الإرواء (١/ ٢٩٣)

''(اب بھی) اسی طرح کرو، جس طرح تم کیا کرتے ہو اور فرمایا: اسی طرح ہے، جب کوئی سو جائے یا بھول جائے۔''

اس حدیث میں آپ ﷺ نے وضاحت فرما دی ہے کہ ایسی حالت میں بھی نماز ادا کرنے کا طریقہ وہی ہوگا، جو معمول کے مطابق ہوتا ہے، یعنی اگرچہ اصل وقت گزر چکا تھا، اس کے باوجود آپ ﷺ نے باقاعدہ اقامت و جماعت کے ساتھ نماز ادا فرمائی، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث والے واقعے کی جزئیات میں بھی یہ بات مذکور ہے۔

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ بھول جانے یا سو جانے کی شکل میں یاد آنے یا جاگ جانے پر جو بھی وقت ہو، اسی وقت نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ اس کے لیے کوئی وقتِ کراہت مانع نہیں ہے، وہ عصر کے بعد سے غروبِ آفتاب تک کے درمیان میں ہو یا فجر کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک کا وقت ہے۔ احناف کے سوا جمہور علما کا یہی مسلک ہے کہ ان اوقات میں بھی فوت شدہ نمازوں کی قضا جائز ہے۔ البتہ عام نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔ جب کہ احناف کا کہنا ہے کہ اوقات مکروہہ میں جا گنے یا بھولی نماز یاد آنے پر کچھ انتظار کرنے کے بعد نماز پڑھے، جب وقتِ کراہت گزر چکا ہو، لیکن نبیِ اکرم ﷺ کے عصر کے بعد ظہر کی آخری دو سنتیں پڑھنے اور دیگر احادیث سے جمہور ہی کی تائید ہوتی ہے۔

طلوع اور استواے اور غروب کا وقت:

اوقاتِ مکروہہ میں سے دو کا ذکر ہو چکا ہے اور اب آیئے بقیہ تین اوقاتِ مکروہہ کی طرف، جو طلوعِ آفتاب، غروبِ آفتاب اور استوا یعنی زوال یا سورج کے عین سر پر ہونے کے اوقات ہیں۔ ان اوقات میں بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم و ابی عوانہ، سنن بیہقی، طیالسی، مسند احمد اور سنن اربعہ میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

«ثَلَاثُ سَاعَاءٍ، نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ نُّصَلِّيَ فِيْهَا، وَأَنْ نَّقْبُرَ فِيْهِنَّ مَوْتَانَا، حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتّٰى تَرْتَفِعَ، وَحِيْنَ يَقُوْمُ الظَّهِيْرَةُ حَتّٰى تَمِيْلَ الشَّمْسُ، وَحِيْنَ تُضَيِّفُ لِلْغُرُوْبِ حَتّٰى تَغْرُبَ»[1]

''تین اوقات ایسے ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے ہمیں ان میں نماز پڑھنے اور مردوں کو دفن کرنے سے منع فرمایا ہے، جب سورج صاف نکل رہا ہو، جب تک کہ وہ چڑھ نہ آئے (یعنی کچھ بلند نہ ہو جائے) اور جب دوپہر کے وقت عین سر پر ہو، یہاں تک کہ سر سے ڈھل نہ جائے اور جب سورج غروب ہو رہا ہو، یہاں تک کہ غروب نہ ہو جائے۔''

نمازِ جنازہ اور تدفین کی کراہت:

ان تین اوقات میں نمازوں کی ممانعت کے علاوہ نبیِ اکرم ﷺ نے فوت شدگان کو دفن کرنے کی بھی ممانعت کر دی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ ''شرح صحیح مسلم'' میں لکھتے ہیں کہ بعض علما کا کہنا ہے کہ «اَنْ نَّقْبُرَ مَوْتَانَا» سے مراد دفن کرنا نہیں، بلکہ اس سے مراد نمازِ جنازہ ہے، لیکن ان کا یہ قول ضعیف ہے، کیوں کہ ان اوقات میں نمازِ جنازہ کے مکروہ نہ ہونے پر اجماعِ امت ہے، لہٰذا کسی حدیث کی ایسی تشریح و مراد بیان کرنا، جو اجماع کے خلاف ہو، جائز نہیں ہے، بلکہ صحیح یہی ہے کہ اس سے مراد جان بوجھ کر تاخیر کر کے مردے کو ان اوقات میں دفن کرنا ہے۔ ہاں اگر بلا ارادہ اتفاق سے کسی کو ایسے وقت میں دفن کر دیا جائے، تو پھر یہ مکروہ نہیں ہے۔[2]

---

[1] صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٦/ ١١٤) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٧٣٣) صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (٨٢٢) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٥١) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٥١٩) فقه السنة (١/ ١٠٦۔ ٥٤٤) أحكام الجنائز (ص: ١٢٠)

[2] شرح صحيح مسلم (٣/ ٦/ ١١٤) مختصراً

امام نووی رحمہ اللہ نے یہاں جو قید لگائی ہے کہ اگر جان بوجھ کر ایسا نہ کیا جائے، بلکہ اتفاق سے ہی ایسا ہو جائے تو مکروہ نہیں ہے۔ موصوف کے اس قید لگانے کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ حدیث مطلق ہے اور اس کا حکم بھی مطلق ہی رہے گا کہ جان بوجھ کر یا بلا ارادہ کسی بھی صورت میں ان اوقات میں تدفین ممنوع ہے، لہٰذا واجب ہے کہ ان اوقات کو گزار کر تدفین عمل میں لائی جائے، البتہ اگر لاش کے کسی وجہ سے پھٹنے یا خراب ہونے کا خطرہ ہو تو پھر یہ جائز ہوگا کہ وقتِ کراہت ہی میں تدفین عمل میں لائی جائے۔[1]

امام نووی رحمہ اللہ نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان اوقات میں نماز کے جواز پر اجماع ہے، ان کا یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں، کیوں کہ یہ ایک معروف اختلافی مسئلہ ہے۔ بلکہ بعض کبار محدّثین نے حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ والی اسی اوقاتِ مکروہہ والی حدیث کے عموم سے ان اوقات میں نمازِ جنازہ پڑھنے کے بھی مکروہ ہونے پر استدلال کیا ہے اور اس حدیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہی بات سمجھی تھی، یہی وجہ ہے کہ بعض آثارِ صحابہ سے پتا چلتا ہے کہ وہ اوقاتِ مکروہہ میں نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔ جیسا کہ موطا امام مالک اور سنن کبری بیہقی میں روایت ہے کہ زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا فوت ہوگئیں، جب کہ مدینہ طیبہ کے گورنر طارق تھے، جنازہ، نمازِ فجر کے بعد لایا گیا اور بقیع میں رکھ دیا گیا۔ طارق نماز کو (غلس) اندھیرے میں پڑھا کرتے تھے۔ محمد بن ابو حرملہ راویِ حدیث بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"إِمَّا أَنْ تُصَلُّوا عَلٰى جَنَازَتِكُمُ الْآنَ، وَإِمَّا أَنْ تَتْرُكُوهَا حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ"[2]

---

[1] محلى ابن حزم (٥/ ١١٤۔ ١١٥) تمام المنة (ص: ١٤٣) أحكام الجنائز (ص: ١٣٤)

[2] تنوير الحوالك (١/ ١/ ٢٢٨) وقال الألباني: و سنده صحيح على شرط الشيخين. (أحكام الجنائز، ص: ١٣١)

''یا تو اپنے جنازے پر ابھی نماز پڑھ لو یا پھر سورج چڑھ آنے تک جنازہ پڑا رہنے دو۔''

امام مالک رحمہ اللہ ہی نے موطا میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ اثر بھی روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا:

« يُصَلّٰى عَلَى الْجَنَازَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الصُّبْحِ إِذَا اصُلِّيَتَا لِوَقْتَيْهِمَا »[1]

''نمازِ فجر و عصر کے بعد نمازِ جنازہ صرف اسی شکل میں پڑھی جاسکتی ہے، جب کہ ان نمازوں کو ان کے اوّل اوقات میں پڑھا جائے۔''

اگر یہ نمازیں اپنے اصل اول وقت سے کچھ موخر کرکے وقتِ اختیار میں پڑھی جائیں اور سورج کی روشنی اور سہ پہر کی زردی پھیل جائے تو پھر ان کے بعد نمازِ جنازہ ٹھیک نہیں، بلکہ اسے مکروہ سمجھا گیا ہے۔ ہاں اگر اول وقت میں پڑھی گئی ہو تو فوراً بعد میں ممکن ہے، جیسا کہ پہلے اثر میں وضاحت ہے کہ یا تو منہ اندھیرے (غلس میں) پڑھ لو یا پھر سورج نکلنے دو۔ اس سے بھی زیادہ واضح طور پر یہ بات سنن کبریٰ بیہقی میں مروی ایک دوسرے اثر میں ہے، جس میں حضرت جریج بیان کرتے ہیں کہ حضرت زیاد رحمہ اللہ نے انھیں بتایا کہ انھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ اہلِ بصرہ کے قبرستان میں جنازہ لا کر رکھا گیا۔ جب کہ (عصر کے بعد) سورج زدر پڑ چکا تھا تو انھوں نے اس پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی، یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا، تب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے منادی کرنے والے کو حکم دیا کہ لوگوں میں منادی کر دو (اذان کہہ دو) پھر انھوں نے نمازِ مغرب کی جماعت کرائی، جب کہ اس جماعت میں حضرت انس بن مالک اور دوسرے حضرت ابو برزہ انصاری رضی اللہ عنہما صحابیِ رسول موجود تھے، پھر نمازِ مغرب کے بعد انھوں نے نمازِ جنازہ پڑھی۔[2]

---

[1] موطأ الإمام مالك (١/ ٢٢٩) رقم الحديث (٢١)

[2] قال الألباني: روى البيهقي بسند جيد (الجنائز، ص:١٣١)

غرض کہ امام خطابی رحمہ اللہ "معالم السنن" (٤/ ٣٢٧) میں لکھتے ہیں کہ ان تینوں اوقات میں نمازِ جنازہ پڑھنے اور مردے کو دفن کرنے کے جواز میں اختلاف ہے۔ اکثر اہلِ علم ہی امام عطاء، ابراہیم نخعی، اوزاعی، سفیان ثوری، اصحابِ رائے یعنی فقہاے احناف اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ اسے مکروہ قرار دیتے ہیں۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ جنازہ و تدفین دن یا رات کے کسی بھی وقت ہوں، بلاکراہت جائز ہیں، لیکن اوّل الذکر جماعتِ علما والا کراہت کا قول ہی حدیث کے موافق ہونے کی وجہ سے اولیٰ ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان اوقاتِ مکروہہ میں نمازِ جنازہ پڑھنا اور مردے کو دفن کرنا، اکثر کے نزدیک مکروہ ہے اور یہی قول اقرب الی السنۃ ہے۔

امام ابو حنیفہ، شافعی، احمد اور جمہور کے نزدیک تو سورج کے عین سر پر ہونے کے وقت نماز مکروہ ہے۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ اس وقت نماز کے جواز کے قائل ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ میں نے جتنے بھی اہلِ علم وفضل (اہلِ مدینہ) کو پایا ہے، وہ عبادت میں محنت کرتے تھے اور نصف النہار یعنی سورج کے سر پر ہونے کے وقت بھی نماز پڑھتے تھے۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کے اس قولِ جواز کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے خود اپنے موطا میں حضرت صنابحی رحمہ اللہ سے مروی حدیث روایت کی ہے۔ (جس میں اس وقت نماز کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اس کے باوجود ان کی طرف سے جواز کے قول کی توجیہ یہی ممکن ہے کہ) یا تو وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح نہیں۔ پھر انھوں نے اہلِ مدینہ کے جس عمل کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کی بنا پر حدیث کو نہیں اپنایا۔

بہر حال یہ بات پیشِ نظر رکھیں کہ ائمہ ثلاثہ اور جمہور والا مسلکِ کراہت ہی اقرب الی السنۃ ہے، کیوں کہ اس پر دلالت کرنے والی متعدد صحیح احادیث موجود ہیں۔ مثلاً ایک حدیث تو وہی ہے، جسے صحیح مسلم و ابی عوانہ، سنن اربعہ و بیہقی، مسند طیالسی اور مسند احمد کے حوالے سے ہم بیان کر چکے ہیں، جو حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں نبیِ اکرم ﷺ

کے بارے میں وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے تین اوقات میں نماز پڑھنے اور میت کو دفن کرنے سے منع فرمایا، جن میں سے:

پہلا وقت: جب سورج طلوع ہو رہا ہو۔

دوسرا وقت: ''حِيْنَ يَقُوْمُ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ حَتّٰى تَمِيْلَ الشَّمْسُ'' ''جب دوپہر کے وقت سورج عین سر پر ہو، یہاں تک کہ وہ سر سے ڈھل نہ جائے۔''

تیسرا وقت: جب سورج غروب ہو رہا ہو، یہاں تک کہ وہ اچھی طرح غروب نہ ہو جائے۔[1]

حدیثِ ثانی:

اسی سلسلے کی ایک دوسری حدیث صحیح مسلم، سنن نسائی، ابن ماجہ، بیہقی اور مسند احمد میں حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں ان کے اسلام لانے کے واقعے اور کئی دیگر احکامِ دین کی تفصیلات بھی ہیں، اسی حدیث میں اوقاتِ نماز بھی مذکور ہیں، جن کے ضمن میں آپ ﷺ نے عین دوپہر کے موقع پر جب سورج نصف النہار پر ہو، نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں نبیِ اکرم ﷺ ان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ سورج کے طلوع ہو جانے کے بعد نماز (نوافل وغیرہ) پڑھو۔ بلاشبہہ نماز پڑھنے پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ آگے فرمایا کہ نماز پڑھ سکتے ہو:

«حَتّٰى يَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ، ثُمَّ اقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّ حِيْنَئِذٍ تُسَجَّرُ جَهَنَّمُ»

''یہاں تک کہ نیزے کا سایہ اس کے مقابل ہو جائے (یعنی سورج سر پر ہو) تب تم نماز سے رک جاؤ، کیوں کہ اس وقت جہنم کو بڑھکایا اور گرمایا جاتا ہے۔''

آگے فرمایا:

---

[1] صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٤/ ١١٤) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٦٩) فقه السنة (١/ ١٠٤ـ ١٠٧، ٥٤٤) أحكام الجنائز للألباني (ص: ١٣٠)

«فَإِذَا أَقْبَلَ الْفَيْئُ فَصَلِّ»[1]

''جب سایہ بڑھ جائے (سورج ڈھل جائے) تو نماز پڑھو۔''

امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے کہ سورج کے سر پر ہونے یعنی زوال کے وقت نماز پڑھنا منع ہے، یہاں تک کہ سورج سر سے ڈھل نہ جائے۔[2]

حدیثِ ثالث:

ایک تیسری حدیث سنن اربعہ وبیہقی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«حَتَّىٰ تَسْتَوِيَ الشَّمْسُ عَلٰى رَأْسِكَ كَالرُّمْحِ فَإِذَا زَالَتْ فَصَلِّ»[3]

''(طلوعِ آفتاب کے بعد سے لے کر اس وقت تک نماز پڑھو) یہاں تک کہ سورج عین نیزے کی طرح تمھارے سر پر آ جائے (تب رک جاؤ) اور جب سورج سر سے ڈھل جائے تو پھر نماز پڑھ سکتے ہو۔''

حدیثِ رابع:

چوتھی حدیث موطا امام مالک، سنن نسائی و ابن ماجہ میں ہے، جس کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ صنابحی رحمہ اللہ سے مروی مرسل حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جس میں ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو شیطان اپنے سینگ اس کے ساتھ (یا سامنے) کر دیتا ہے اور جب سورج بلند ہو جاتا ہے تو وہ سینگ ہٹا لیتا ہے:

«ثُمَّ إِذَا اسْتَوَتْ قَارَنَهَا وَإِذَا زَالَتْ فَارَقَهَا»

---

[1] صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٦/ ١١٦) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٢٥١) سنن أبي داود، رقم الحديث (١١٣٧)

[2] شرح صحيح مسلم (٣/ ٦/ ١١٦)

[3] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٢٥٢)

''پھر جب سورج سر پر آتا ہے تو وہ دوبارہ سینگ وہیں کر دیتا ہے اور جب سورج ڈھل جاتا ہے تو پھر سینگ الگ کر لیتا ہے۔''

پھر جب سورج غروب ہونے لگتا ہے تو پھر وہیں کر لیتا ہے، اس حدیث کے آخر میں ہے:

«نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ فِيْ تِلْكَ السَّاعَاتِ»[1]

''نبیِ اکرم ﷺ نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔''

"إرواء الغليل" میں علامہ البانی نے استوائے شمس کے وقت شیطان کے سینگوں کو سورج کے سامنے کرنے والے الفاظ کو منکر قرار دیا ہے، کیوں کہ یہ صحیح مسلم اور دیگر کتب والی حدیثِ عمرو بن عنبسہ کے الفاظ: «فَإِنَّ حِيْنَئِذٍ تُسَجَّرُ جَهَنَّمُ» کے خلاف ہیں۔ اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ مرسل ہے۔ اگرچہ اس کی سند کے تمام راوی قوی ہیں۔[2]

اس حدیث کے مرسل ہونے کا سبب امام سیوطی رحمہ اللہ نے "تنوير الحوالك شرح موطأ الإمام مالك" میں علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ صنابحی رحمہ اللہ کی نبیِ اکرم ﷺ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔[3]

مرسل حدیث چونکہ ضعیف کی اقسام میں شمار کی جاتی ہے اور اسے حجت نہیں مانا جاتا ہے، یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے موطا میں اس روایت کو ذکر کرنے کے باوجود سورج کے سر پر ہونے کے وقت نماز کے کراہت کے قول کو اختیار نہیں کیا، بلکہ وہ جواز کے قائل تھے اور ساتھ ہی وہ اہلِ مدینہ کا عمل بھی جواز ہی بتاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے

---

[1] صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٤٥) الموطأ مع تنوير الحوالك للسيوطي (١/ ١/ ٢٢٠) الإرواء (٢/ ٢٣٨) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٢٥٣)

[2] فتح الباري (٢/ ٦٣)

[3] تنوير الحوالك (١/ ١/ ٢٢٠)

کہ اگر صرف یہی ایک مرسل روایت ہی ہوتی تو پھر امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک بلاشبہہ صحیح ہوتا، لیکن اب جب کہ تین دیگر احادیث بھی ہیں، جن سے کراہت کا پتا چلتا ہے، جن میں صحیح مسلم کی احادیث بھی ہیں تو پھر کہا جا سکتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کی نسبت دیگر ائمہ ثلاثہ اور جمہور کا مسلک ہی اقرب الی السنۃ ہے اور حسنِ ظن کا تقاضا یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں یہ سمجھ لیا جائے کہ انھیں وہ صحیح احادیث نہیں پہنچی ہوں گی اور صرف ان احادیث پر ہی بس نہیں، بلکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار سے بھی کراہت کا پتا چلتا ہے، چنانچہ صاحبِ فتح الباری نے تین آثار ذکر کیے ہیں:

پہلا اثر:

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"فَنَهٰى عَنِ الصَّلَاةِ نِصُفَ النَّهَارِ"[1]

"عین دوپہر کے وقت نماز پڑھنے سے روکتے تھے۔"

دوسرا اثر:

دوسرے اثر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"کُنّا نُنُهٰی عن ذلك" "ہم اس سے روکے جاتے تھے۔"

تیسرا اثر:

تیسرے اثر میں حضرت ابوسعید مقبری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"أَدُرَكُتُ النَّاسَ وَهُمُ يَتَّقُوُنَ ذٰلِكَ"[2]

"میں لوگوں کو اس حال میں پایا کہ وہ اس (عین دوپہر کے وقت نماز پڑھنے) سے بچتے تھے۔"

---

[1] فتح الباري (٢/ ٦٣)

[2] فتح الباري (٢/ ٦٣)

ان آثار سے بھی جمہور کے مسلک ہی کی تائید ہوتی ہے کہ عین دوپہر یا زوالِ آفتاب کے وقت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

استثنائی صورتیں:

یہاں اس بات کی وضاحت بھی کر دیں کہ فقہاے احناف کے نزدیک تو ان تینوں اوقات میں مطلقاً نماز منع ہے، فرض ہو یا واجب، چاہے نفل ہو اور ادا ہو یا قضا، البتہ اس دن کی عصر کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ایک قول کی رو سے فجر کی نماز بھی طلوعِ آفتاب سے فاسد نہیں ہوتی۔ ایسے ہی نمازِ جنازہ اور ان اوقات میں تلاوت کی گئی آیات پر سجدہ تلاوت بھی مستثنیٰ ہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک جمعہ کے دن عین دوپہر میں سورج کے سر پر ہونے کے وقت نوافل پڑھنا اس حکمِ کراہت میں نہیں آتا اور شافعیہ کے نزدیک ان اوقاتِ ثلاثہ میں غیر سببی نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔ البتہ فرض مطلقاً اور سببی نوافل، جمعہ کے دن عین سورج کے سر پر ہونے کے وقت نوافل اور حرمِ مکہ میں نوافل بلا کراہت جائز ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک طلوعِ آفتاب اور غروب کے وقت نوافل پڑھنا (نہ صرف مکروہ بلکہ) حرام ہے، اگرچہ وہ سببی ہی کیوں نہ ہوں۔ نذر والی نماز اور سجدہ تلاوت کا بھی یہی حکم ہے اور نمازِ جنازہ بھی اسی میں شامل ہے، سوائے اس کے کہ لاش کے خراب ہونے کا خطرہ ہو تو پھر یہ جائز ہے۔ انھوں نے ان دونوں اوقات میں فرائض ادا کرنے کو مباح قرار دیا ہے، خواہ وہ ادا ہوں یا قضا۔

اسی طرح سورج کے عین سر پر ہونے کے وقت بھی انھوں نے مطلقاً نماز کو مباح کہا ہے، فرض ہوں یا نفل (یعنی اس وقت ان کے یہاں جمعہ کے دن اور حرم مکی کی شرط بھی نہیں)

علامہ باجی موطا امام مالک کی شرح میں المبسوط کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ابن وہب سے مروی ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ سے عین دوپہر کے وقت نماز پڑھنے کے

بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

”میں نے لوگوں کو پایا کہ وہ جمعہ کے دن سورج کے سر پر ہونے کے وقت نماز پڑھتے تھے اور بعض احادیث میں اس کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے۔ میں اسے منع نہیں کرتا، کیوں کہ میں نے لوگوں (اہلِ مدینہ) کو اس وقت نماز پڑھتے پایا ہے اور نہ میں اس وقت نماز پڑھنے کو محبوب رکھتا ہوں، کیوں کہ اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔“

حنابلہ کے نزدیک ان تینوں اوقات یعنی طلوع وغروب اور نصف النہار کے وقت میں کوئی نفلی نماز نہیں ہوتی، وہ سببی ہو یا غیر سببی، مکہ مکرمہ میں ہو یا کسی دوسری جگہ پر اور جمعہ کا روز ہو یا کوئی دوسرا دن۔ ہاں البتہ انھوں نے جمعہ کے دن تحیۃ المسجد کی دو رکعتوں کو بلاکراہت جائز قرار دیا ہے۔ وہ چاہے عین دوپہر کے وقت واقع ہوں اور خطبے کے دوران ہی کیوں نہ پڑھی جائیں۔

ان کے نزدیک نمازِ جنازہ بھی ان تینوں اوقات میں حرام ہے۔ ہاں اگر لاش کے بگڑ جانے کا خدشہ ہو تو پھر بلاکراہت جائز ہے اور ان تینوں اوقات میں ان کے نزدیک فوت شدہ فرضی نمازوں کی قضا، نذر مانی ہوئی نماز اور طواف کی دو رکعتیں پڑھ لینا بھی جائز ہے۔[1]

یہ چاروں معروف فقہی مکاتبِ فکر کے ائمہ وفقہا کی آرا ہیں اور ان میں سے بعض امور ایسے بھی ہیں، جنھیں مکروہ وممنوع بتایا گیا ہے، حالانکہ ان کے استثنا و جواز کے دلائل صحیح احادیث میں موجود ہیں۔ مثلاً:

1. بھولی ہوئی۔
2. نیند کی وجہ سے رہ جانے والی فرض نماز کے یاد آنے پر، یا نیند سے بیدار ہونے کے وقت اس کو ادا کرنے کے جواز کے دلائل ذکر کیے جا چکے ہیں۔

---

[1] دیکھیں: فقه السنة (١/ ٧/ ١٠٨)

③ حرم مکی میں طواف کی دو رکعتوں، یعنی نمازِ طواف وغیرہ تمام اوقات میں، کے جواز کی دلیل پر مشتمل حدیث بھی ذکر کی جا چکی ہے۔

④ عام سببی نفلی نمازوں کے جواز کی طرف بھی اشارہ گزرا ہے۔

⑤ نمازِ جنازہ اور تدفین کی کراہت کے راجح ہونے کا تذکرہ بھی ہو چکا ہے، سوائے اس کے کہ لاش کے بگڑنے کا خطرہ ہو تو پھر بلا کراہت نماز و تدفین جائز ہے۔

اس دن کی فجر و عصر:

احناف کی طرف سے، یہ جو کہا گیا ہے کہ ان تینوں اوقات میں نماز پڑھنا منع ہے، فرض ہو یا واجب یا نفل ہو، ادا ہو یا قضا اور صرف اس دن کی نمازِ عصر کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے تو اس کی دلیل بھی موجود ہے، البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی طرح اس کے ساتھ ہی اس دن کی نمازِ فجر کو بھی مستثنیٰ کر لینا چاہیے، کیوں کہ اس کے بھی دلائل موجود ہیں۔ ایسے ہی عین سر پر ہونے کے وقت نوافل کے جواز کا معاملہ بھی ہے اور اس کے بھی دلائل موجود ہیں۔

بعض احادیث ایسی ہیں، جو خاص انھی دو مواقع سے تعلق رکھتی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے اگر فجر کی نماز موخر ہو جائے، حتیٰ کہ سورج طلوع ہو رہا ہو تو عذر و مجبوری میں ان اوقات کے دوران میں بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے اور یہ طلوع و غروب کے وقت نماز ادا کرنا تو صرف اس دن کی فجر و عصر کے ساتھ خاص ہے، البتہ کسی بھی نماز کے آخری وقت میں ایک رکعت ادا کرنا اور بقیہ نماز کے اگلی نماز کو پا لینے کا معاملہ ہر نماز کے لیے عام ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی سے پتا چلتا ہے:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ»[1]

---

[1] صحيح البخاري (٢/ ٧٥) مختصر صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢٨) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٩٩١) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٤١) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١١٢٢) نيل الأوطار (١/ ٢/ ٢٢)

چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، سنن اربعہ، مسند احمد اور دیگر کتب حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الصُّبْحِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعُ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ، وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ»[1]

''جس نے فجر کی ایک رکعت طلوعِ آفتاب سے پہلے پڑھ لی، اس نے فجر کی نماز پا لی اور جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پڑھ لی، اِس نے عصر کو پا لیا۔''

یہاں عصر یا فجر کو پا لیا سے مراد یہ نہیں ہے کہ محض ایک رکعت پڑھ لینا ہی کافی ہوگیا، بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ اپنی نماز مکمل کرلے۔ اس نے نماز کو پا لیا ہے۔ فوت نہیں ہونے دی۔ البتہ وہ بقیہ نماز پڑھ کر رکعتیں مکمل لے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم اور سنن بیہقی کی ایک دوسری روایت میں اس کے نماز کو پا لینے کا ذکر ہے:

«مَنْ اَدْرك رَكْعَةً مِّنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ»[2]

''جس نے کسی نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے وہ نماز پا لی۔''

بقیہ نماز پڑھ کر رکعتیں پوری کر لینے کا ذکر بھی ایک دوسری روایت میں آیا ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ١٥٦) صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ١٠٤۔ ١٠٥) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٩٨) صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (١٥٧) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٠١، ٥٠٢) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٦٩٩) المنتقىٰ مع النيل (١/ ٢/ ٢١)

[2] صحيح البخاري (٢/ ٥٧) مختصر صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢٨)

« إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِّنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ، وَإِذَا أَدْرَكَ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ »[1]

''جب تم میں سے کوئی شخص غروبِ آفتاب سے پہلے نمازِ عصر کا ایک سجدہ ایک رکعت، (جیسا کہ امام مسلم، امام خطابی رحمہ اللہ اور المجد ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تشریح کی ہے۔ فتح الباری: ۲/ ۳۸) پالے، اسے چاہیے کہ اپنی نماز مکمل کرلے اور جب کوئی شخص صبح کی نماز کی ایک رکعت طلوعِ آفتاب سے پہلے پالے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی نماز کو مکمل کر لے۔''

ان احادیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو شخص عذر و مجبوری کی وجہ سے ان اوقات میں سے ایک رکعت بھی پالے اور بقیہ نماز طلوع یا غروب کے بعد پڑھ لے تو اس کی نماز مکمل ہوگئی، اس بات کی صراحت بھی بعض دیگر روایات میں آئی ہے۔ مثلاً سنن کبریٰ بیہقی میں ہے:

« مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الصُّبْحِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ »[2]

''جس نے فجر کی ایک رکعت طلوعِ آفتاب سے پہلے پالی اور ایک رکعت طلوعِ آفتاب کے بعد پڑھ لی تو اس نے نماز پالی۔''

اس سے بھی زیادہ صریح روایت دوسری ہے، جس میں ہے:

« مَنْ صَلّٰى رَكْعَةً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلّٰى مَا بَقِيَ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ فَلَمْ يَفُتْهُ الْعَصْرُ »[3]

---

[1] صحيح البخاري مع فتح الباري (٢/ ٥٦)

[2] فتح الباري (٢/ ٥٦)

[3] حواله بالا و نيل الأوطار (١/ ٢/ ٢١)

’’جس نے عصر کی ایک رکعت غروبِ آفتاب سے پہلے پڑھ لی اور بقیہ نماز غروبِ آفتاب کے بعد پڑھ لی تو اس کی عصر فوت نہیں ہوئی۔‘‘

یہی بات نمازِ فجر کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے فرمائی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی نسائی شریف کی روایت میں ارشادِ نبوی کے الفاظ ہیں:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ كُلَّهَا إِلَّا أَنَّهُ يَقْضِيْ مَا فَاتَهُ» [1]

’’جس نے نماز کی ایک رکعت پالی، اس نے ساری نماز ہی پالی، البتہ اسے چاہیے کہ وہ بقیہ رکعتوں کو پورا کرلے۔‘‘

سنن بیہقی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيَصِلْ إِلَيْهَا أُخْرٰى» [2]

’’جس نے سورج نکلنے سے پہلے ایک رکعت پالی، اسے چاہیے کہ وہ اس رکعت کے ساتھ ایک اور رکعت ملائے (یعنی نماز مکمل کرلے)۔‘‘

اسی مفہوم کی ایک حدیث اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی صحیح مسلم، سنن نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں مروی ہے، جس میں ارشادِ نبوی ہے:

«مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الْعَصْرِ سَجْدَةً قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ أَوْ مِنَ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَهَا» [3]

---

[1] دیکھیں: صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٤٤) عن سالم، فتح الباري (٢/ ٥٦)

[2] حواله سابقه.

[3] صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ١٠٥ـ ١٠٦) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٣٧) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٧٠٠) المنتقى مع النيل (١/ ٢/ ٢١)

''جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے ایک رکعت عصر پڑھ لی یا طلوعِ آفتاب سے پہلے فجر کی ایک رکعت پا لی، اس نے نماز پا لی۔''

حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث اور اس کی متعدد روایات کے الفاظ سے اصل موضوع تو واضح ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ امام شافعی، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا یہی مسلک اس سلسلے میں اقرب الی السنۃ ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے دوسری رائے اختیار کی ہے کہ اگر کسی کے فجر پڑھنے کے دوران ہی سورج طلوع ہو جائے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے، لیکن مذکورہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے خلاف ہے، جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ خود امام صاحب کے شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ کو بھی اپنے استاذِ گرامی کی اس رائے سے اتفاق نہیں تھا، بلکہ وہ دیگر ائمہ کی طرح جواز کے قائل تھے اور عصر کے بارے میں تو عام احناف بھی جواز ہی کے قائل ہیں۔

امام صاحب رحمہ اللہ جو نماز کے دوران میں سورج طلوع ہو جانے سے اس کے باطل ہو جانے کے قائل ہیں، ان کا استدلال ان احادیث سے ہے، جن میں طلوعِ آفتاب کے وقت نماز ادا کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، لیکن حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں استدلال صحیح نہیں رہتا، پھر یہ معاملہ صرف نمازِ فجر کے ساتھ ہی خاص کیوں کیا جائے، جب کہ ممانعت والی احادیث ہی میں غروبِ آفتاب کے وقت نمازِ عصر کی ممانعت بھی آئی ہے، لیکن اسے احناف نے مستثنیٰ مانا ہے تو پھر فجر کو مستثنیٰ ماننے میں کیا چیز مانع ہے؟

بعض حنفی اہلِ علم نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ ممانعت والی احادیث سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت منسوخ ہوگئی ہے، ان کا یہ دعویٰ محتاجِ دلیل ہے اور کوئی قطعی دلیل نہ ہونے کی صورت میں محض احتمال کی بنا پر ناسخ تو نہیں مانا جا سکتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے بقول ان دونوں کی احادیث سے بعض کو ناسخ اور بعض کو منسوخ ماننے کے بجائے اور ہر دو طرح کی احادیث کے مابین جمع و تطبیق ممکن ہے اور وہ اس طرح کہ ممانعت والی احادیث

کو غیر سببی نفلی نمازوں کی ممانعت پر محمول کیا جائے نسخ ماننے سے یہ تخصیص ہی اولی ہے۔[1]

اسی سببی و غیر سببی والے فرق کو نقل کر کے امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے مسلک کی رو سے ہے، جب کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ ممانعت کی احادیث عام ہیں اور ہر نماز ہی کو شامل ہیں، جب کہ جواز والی یہ حدیث خاص ہے، پس عام کی خاص پر بنیاد رکھی جائے گی (اور کہا جائے گا کہ) اس وقت کوئی نماز ہی جائز نہیں، چاہے وہ سببی ہو یا غیر سببی۔ سوائے اس کے کہ کوئی دلیل موجود ہو جو کسی نماز کو خاص کر دے تو اسے ادا کرنا ہوگا، جیسا کے یہاں فجر وعصر کا معاملہ ہے) ہاں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ امام نووی رحمہ اللہ کے بقول اس بات پر تمام علما کا اتفاق ہے کہ جان بوجھ کر فجر کو طلوعِ آفتاب تک اور عصر کو غروبِ آفتاب تک موخر کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ صرف مجبوری کی حالت کے لیے خاص ہے۔[2]

سورج کے عین سر پر ہونے کے وقت نماز کی کراہت ہونے سے جمعہ کے دن کا استثنا:

یہ تو ہوا طلوع و غروب کے سلسلے میں اور اب آیئے سورج کے عین سر پر ہونے کے وقت نماز کی کراہت و استثنائی صورت کی طرف۔

بقول علامہ ابن قیم رحمہ اللہ "زاد المعاد" (١/ ٣٨٠ محقق) سورج کے عین سر پر ہونے کے وقت نماز کے مکروہ ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اہلِ علم کے تین اقوال ہیں:

پہلا قول:

یہ وقت، وقتِ کراہت ہے ہی نہیں۔ یہ امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔ ہم سابق میں ذکر کر آئے ہیں کہ ان کا یہ مسلک مرجوح ہے اور احادیث سے اس کی تائید نہیں ہوتی، حتیٰ کہ خود امام مالک رحمہ اللہ کے اپنے موطا میں حدیث موجود ہے، جس سے اس وقت کے وقتِ کراہت ہونے کا پتا چلتا ہے، جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

---

[1] فتح الباري (٢/ ٥٦)

[2] نيل الأوطار (١/ ٢/ ٢٢)

دوسرا قول:

سورج کے عین سر پر ہونے کا وقت روزانہ ہی وقتِ کراہت ہے۔ اس میں جمعہ یا غیر جمعہ کا بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور مشہور روایت کی رو سے امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک ہے (اگرچہ ایک دوسری روایت کی رو سے وہ جمعہ کے دن کو مستثنیٰ مانتے ہیں) لیکن دلائل کی رو سے یہ مسلک بھی موجود ہے۔

تیسرا قول:

تیسرا راجح قول یا اقرب الی السنہ مسلک امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ وقت تو واقعی وقتِ کراہت ہے، لیکن جمعہ کا وقت اس سے مستثنیٰ ہے۔

امام عطاء، مکحول، طاؤس، حسن بصری اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ و ابن قیم رحمہما اللہ کا اختیار بھی یہی ہے اور بعض دیگر کبار محدّثین و علما نے بھی اس کی تائید کی ہے۔[1]

دلائل کی رو سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ جمعہ کے دن وقتِ زوال میں بھی نوافل پڑھے جاسکتے ہیں یا با الفاظ دیگر جیسا کہ عموماً کہا جاتا ہے کہ جمعہ کے دن زوال ہوتا ہی نہیں، گویا یہ ایک عامی تعبیر ہے، ورنہ زوال تو ہر روز ہی ہوتا ہے۔ البتہ جمعہ کے دن زوال کے وقت بھی نوافل کے جواز کا پتا چلتا ہے۔ چنانچہ ”زاد المعاد في هدي خير العباد“ میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے جمعہ کے ۳۳ خصائص ذکر فرمائے ہیں اور ہر خصوصیت پر سیر حاصل بحث کی ہے جو محقق طباعت کے باسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ ان خصائص میں سے گیارھویں خصوصیت یہی لکھی ہے کہ جمعہ کے دن امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے موافقین کے نزدیک زوال کے وقت بھی نوافل مکروہ نہیں ہیں اور ہمارے استاد ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ

---

[1] دیکھیں: زاد المعاد (١/ ٣٧٨، ٣٨٠) فتح الباري (٢/ ٣٧٢) تمام المنة (ص: ١٤٣) فقه السنة (١/ ١٠٧، ١٠٨)

کا اختیار بھی یہی ہے اور ان کا اعتماد "ليث عن مجاهد عن أبي الخليل عن أبي قتادة عن النبيﷺ" کی سند سے مروی حدیث پر بھی نہیں تھا۔[1]

جس میں ہے کہ نصف النہار یا زوال کے وقت نماز مکروہ ہے سوائے جمعہ کے دن کے اور اس میں ہے:

«إِنَّ جَهَنَّم تُسَجَّرُ إِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ»[2]

''ہر روز دو پہر کے وقت جہنم کو بھڑکایا جاتا ہے، سوائے جمعہ کے دن کے۔''

اس کے برعکس امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا اعتماد اس بات پر تھا کہ جو شخص جمعہ کے لیے آئے، اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ امام کے نکلنے (خطبہ کے شروع کرنے) تک نوافل اور سنتیں پڑھے اور صحیح بخاری "كتاب الجمعة، باب الدهن للجمعة" اور "باب لا يفرق بين اثنين يوم الجمعة" دو مقامات پر) ایسے ہی مسند احمد و سنن دارمی کی ایک صحیح حدیث میں ارشادِ نبوی ہے:

«لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ، وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيبِ بَيْتِهِ، ثُمَّ يَخْرُجُ، فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ، ثُمَّ يُصَلِّي مَا كُتِبَ لَهُ ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَىٰ»[3]

''جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور حسبِ امکان طہارت و نظافت کا اہتمام کرے، تیل لگائے یا اپنے گھر سے خوشبو لگائے اور پھر جمعہ کے لیے نکلے اور

---

[1] اس حدیث پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا اعتماد نہ ہونے کی وجہ دراصل یہ ہے کہ امام ابو داود کی یہ روایت سند کے اعتبار سے ایک تو منقطع ہے اور دوسرے ''لیث بن ابی سلیم'' کے ضعیف راوی ہونے کی وجہ سے نا قابلِ حجت ہے۔ دیکھیں: تحقيق الزاد (١/ ٣٧)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (١٠٨٣)

[3] صحيح البخاري مترجم اردو (١/ ٤٢٢)

(مسجد میں بیٹھے ہوئے) دو آدمیوں میں تفریق نہ کرے (یعنی اکٹھے بیٹھے ہوؤں کے درمیان گھس کر انھیں الگ الگ نہ کر دے) پھر وہ جتنی اس کی قسمت میں لکھا ہے، نفلی نماز پڑھے اور پھر جب امام خطبہ شروع کرے تو اسے خاموشی سے بہ غور سنے تو اس کے دوسرے جمعہ تک تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔‘‘

اس حدیث میں دلیل ہے کہ مسجد میں پہنچنے والے کے لیے جتنی استطاعت ہو، نماز پڑھنا مندوب ہے اور اس سے ممانعت اس وقت تک نہیں، جب تک کہ امام خطبہ کے لیے نہ آئے۔ کئی حضرات، جن میں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ان کی متابعت میں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی ہیں، کا کہنا ہے کہ امام کا لوگوں کے سامنے نکل آنا نماز سے منع کرتا ہے اور اس کا خطبہ شروع کرنا بات چیت سے مانع ہوتا ہے، گویا سلف صالحین نے امام کے نکلنے کو نماز سے مانع قرار دیا ہے نہ کہ سورج کے سر پر آنے کو (یعنی زوال کا وقت ہونے کو نماز سے مانع نہیں قرار دیا گیا)۔

دوسری دلیل:

جمعہ کے دن زوال کے وقت بھی نوافل کے جائز ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ مسجد میں لوگ چھتوں کے نیچے ہوتے ہیں اور انھیں زوال کے وقت کا پتا نہیں چل سکتا اور وہ آدمی جو نفلی نماز میں مشغول ہے، اسے کیا معلوم کہ کب زوال کا وقت ہو گیا اور اس کے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہوا باہر نکلے، سورج کو دیکھے اور پھر لوٹ جائے اور نہ یہ اس کے لیے مشروع ہے۔

جمعہ کے دن وقت زوال کی عدمِ کراہت کی دلیل سنن ابی داود والی حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی بن سکتی ہے، کیوں کہ اگرچہ امام ابو داود رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ مرسل ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ابو خلیل کا حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے سماع (سننا) ثابت نہیں ہے، لیکن جن کی مرسل کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل بھی ہوا اور قیاس سے بھی اس تائید ہوتی ہو، یا کسی صحابی

کا قول اس کا مؤید ہو یا ارسال کرنے والا راوی اساتذہ کے اختیار میں اورضعفا ومتروکین سے روایت بیان نہ کرنے میں معروف ہو یا ایسی ہی کوئی دوسری صورت ہو، جس سے اسے قوت ملتی ہوتو ایسی مرسل روایت پر بھی عمل کیا جائے گا۔

نیز حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ والی اس مرسل روایت کی تائید میں کئی دوسرے شواہد بھی ہیں، مثلاً مسند امام شافعی اور انھی کی کتاب "إختلاف الحدیث" اور "کتاب الجمعة" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

« إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الصَّلَاةِ نِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰى تَزُوْلَ الشَّمْسُ إِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ »[1]

''نبیِ اکرم ﷺ نے زوال کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا، سوائے جمعہ کے دن کے۔''

اس روایت کی سند میں دو راوی ابراہیم بن محمد اور اسحاق بن عبد اللہ ہیں، جنھیں تحقیق زاد المعاد میں متروک بتایا گیا ہے اور امام شوکانی رحمہ اللہ کے حوالے سے فتح الربانی کی شرح میں شیخ احمد عبدالرحمٰن البنّاء نے بھی کہا ہے کہ اس کی سند پر کلام کیا گیا ہے۔ یہی روایت سنن اثرم اور بیہقی کی ''معرفة السنن'' میں بھی مروی ہے، جہاں حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں بیان کرتے ہیں:

« كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَنْهٰى عَنِ الصَّلَاةِ نِصْفَ النَّهَارِ إِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ »[2]

''نبیِ اکرم ﷺ عین دوپہر کے وقت نماز پڑھنے سے روکا کرتے تھے، سوائے جمعہ کے دن کے۔''

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح الرباني (٢/ ٣٧٠، ٣٩٢) عن سلمان فارسي رضی اللہ عنہ، صحيح الجامع (٣/ ٦/ ٢٤١) بحواله زاد المعاد (١/ ٣٧٩) و شرح الفتح الرباني (٢/ ٣٠٠) فتح الباري (٢/ ٦٣)

[2] حواله جات بالا.

زاد المعاد میں علامہ ابن قیم امام بیہقی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں بعض راوی ایسے ہیں، جو قابلِ حجت نہیں، لیکن اگر ان احادیث کو حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے ساتھ ملا لیا جائے تو کچھ قوت اختیار کر جاتی ہیں۔ فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے بھی لکھا ہے کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کی سند میں انقطاع ہے اور امام بیہقی نے اس کے کچھ ضعیف شواہد ذکر کیے ہیں، جنھیں ملانے سے حدیث قوی ہو جاتی ہے۔[1]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ جمعہ کی دن جلد مسجد پہنچ جاتے ہیں اور امام کے خطبے کے لیے نکلتے تک نوافل پڑھتے رہتے ہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے جو یہ بات کہی ہے، وہ صحیح احادیث میں موجود ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے جلد مسجد کی طرف جانے اور بلا استثنائے زوال امام نکلنے تک نماز پڑھنے کی ترغیب دلائی ہے۔ یہ بات جمعہ کے زوال کے وقت نماز کے جواز پر دلالت کرنے والی احادیث کے موافق و مفید ہے اور اس رخصت کی روایت امام عطاء، طاؤس، حسن بصری اور مکحول رحمہم اللہ سے بھی ملتی ہے۔[2]

امام شافعی رحمہ اللہ نے ثعلبہ بن ابی مالک کے حوالے سے عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں روایت بیان کی ہے:

"إِنَّهُمْ كَانُوا يُصَلُّونَ نِصْفَ النَّهَارِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ"[3]

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعہ کے دن زوال کے وقت بھی نفلی نماز پڑھا کرتے تھے۔''

ان احادیث و آثار کا مجموعی مفاد یہ ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت یعنی جب سورج عین سر پر ہو، نفلی نماز جائز ہے، لیکن عام حالات میں یہ اوقاتِ مکروہہ میں سے

---

[1] فتح الباري (٢/ ٦٣)

[2] زاد المعاد (١/ ٣٧٨، ٣٨٠)

[3] دیکھیں: شرح الفتح الرباني (٢/ ٣٠٠)

ہے۔ البتہ جمعہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

بعض دیگر مواقع کراہت:

یہ پانچ اوقات تو نمازوں کے مکروہ ہونے کے معروف ہیں اور نمازِ پنج گانہ کے اصل اوقات کی مناسبت سے ہیں۔ البتہ اہلِ علم نے بعض دیگر مواقع بھی ذکر کیے ہیں، جن میں نماز مکروہ ہے اور وہ مواقع بھی پانچ ہیں:

١ جب نماز کی اقامت ہو رہی ہو یا ہو چکی ہو۔

٢ جب خطبہ جمعہ کے لیے امام و خطیب منبر پر پہنچ جائے۔

٣ اس فرض نماز کی جماعت ہونے کے دوران میں جو اس نے ابھی پڑھنی ہو۔

٤ صرف مالکیہ کے نزدیک وہ وقت کہ جمعہ کی نماز ختم ہو، مگر لوگ ابھی مسجد سے گئے نہ ہوں۔ تب ان کے نزدیک نفلی نماز مکروہ ہے۔

٥ صرف احناف کے نزدیک وہ وقت جو مغرب کی اذان اور جماعت کے درمیان تھوڑا سا وقفہ ہے (جس میں لوگ دو رکعت نماز پڑھتے ہیں اور صحیح بخاری و دیگر کتبِ حدیث میں ان دو رکعتوں کے جواز کا ثبوت موجود ہے)۔[1]

بہر حال اصلی اوقاتِ نماز کی مناسبت سے جو مکروہ اوقات ہیں، ان کی طرح ہی ان مکروہ مواقع کی تفصیل میں جانا شاید سردست باعثِ ثقل ہو، لہٰذا ہم صرف اتنا کہنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں کہ نماز کی اقامت اور جماعت کے دوران میں سنتیں پڑھنا یقیناً مکروہ ہے۔ اس وقت فوراً جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے۔ اس کی کچھ تفصیل تو نمازِ فجر کے بعد والے وقتِ کراہت کے ضمن میں گزری ہے اور مزید تفصیل کا موقع نمازِ پنج گانہ کی سنتوں کے موضوع میں آئے گا۔ اُسی مقام پر خصوصاً نمازِ پنج گانہ سے متعلقہ غیر موکدہ سنتوں کے ضمن میں اذانِ مغرب اور جماعت کے مابین دو رکعتوں کے جواز کی تفصیل بھی ذکر کی گئی ہے۔

---

[1] فتح الباري (٢/ ٦٣)

جب خطیب خطبہ شروع کر چکا ہوتو بھی عام نفلی نماز شروع کرنا مکروہ ہے۔ ہاں تحیۃ المسجد کے طور پر صرف مختصر سی دو رکعتیں پڑھ لینا چاہیے، کیوں کہ ان دو رکعتوں کو کثیر فقہا کے نزدیک وجوب کا درجہ حاصل ہے، اس بات کے دلائل اور تفصیل ''مسائل واحکامِ جمعہ'' اور ''تحیۃ المسجد'' کے موضوعات میں ہیں۔ نمازِ جمعہ کے بعد اُٹھ کر چار یا دو رکعتیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ لوگوں کے چلے جانے تک نوافل کی کراہت کے واضح دلائل ہمیں نہیں مل سکے کہ جن سے یہ کراہت ثابت ہوتی ہو۔

کراہت میں تفاوت:

اوقاتِ مکروہہ کا موضوع ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کی وضاحت بھی کر دی جائے کہ نمازِ پنج گانہ کے اصل اوقات کی مناسبت سے جو پانچ اوقاتِ مکروہہ ہیں، ان میں نماز پڑھنے کی کراہت ایک جیسی نہیں ہے، بلکہ ان کے مابین تفاوت ہے۔ بعض اوقات میں نماز کی ممانعت دوسرے تین اوقات کی نسبت زیادہ شدید ہے۔[1]

خوابوں کی تعبیر بیان کرنے کے ماہر و محدث امام محمد بن سیرین، امام المفسّرین ابن جریر طبری رحمہما اللہ اور بعض دیگر اہلِ علم نے نمازِ فجر وعصر کے بعد نماز کی ممانعت میں پائی جانے والی حکمت کے مابین فرق کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پہلے دو اوقات میں نماز مکروہ ہے اور دوسرے دونوں اوقات میں نماز حرام ہے، اس تفاوت اور فرق پر ان کی دلیل یہ ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نماز پڑھی تھی۔ (جس کی تفصیل ذکر کی جا چکی ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ عصر کے بعد نماز پڑھنا حرام نہیں، گویا انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہر کی دو سنتیں عصر کے بعد پڑھنے کو بیانِ جواز پر محمول کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ملتی ہے کہ ان کے نزدیک نمازِ فجر کے بعد سے لے کر طلوعِ آفتاب تک مابین

---

[1] الفتح الرباني و شرحه (٢/ ٢٩٩)

نماز پڑھنا حرام تھا اور وہ عصر کے بعد سے لے کر سورج کے زرد پڑ جانے تک مابین نماز پڑھنا مباح سمجھتے تھے۔ جب کہ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (اور بعض دیگر علما و محدث کا) بھی یہی مسلک تھا۔ (جیسا کہ تفصیل ذکر کی جا چکی ہے)

ان کی دلیل کے سلسلے میں سنن ابی داود کی وہ حدیث بھی ذکر کی گئی تھی، جسے کبار محدّثین میں سے کسی نے صحیح اور کسی نے قوی کہا ہے، جس میں مذکور ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، سوائے اس وقت کے جب کہ سورج ابھی کافی بلند اور صاف شفاف ہو، یعنی زردی مائل نہ ہوا ہو۔

بہر حال بعض اہلِ علم کی رائے ہے کہ بعض اوقات میں نماز مکروہ اور بعض میں حرام اور بعض میں مباح ہے، جب کہ مشہور بات یہ ہے کہ ان تمام اوقات میں نماز مکروہ ہے، اس کراہت کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نہیں بلکہ وہ کراہت تنزیہی ہے۔ یعنی بچنا افضل و اولی ہے۔[1] ظاہر ہے کہ سب اوقات ان پانچوں نمازوں کو بر وقت ادا کرنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ ادائی وقتِ اختیار میں یا چاہے وقتِ اضطرار میں ہو۔ بہرحال ان اوقات میں پڑھی گئی نمازیں ادا شمار ہوں گی، قضا نہیں۔

فرضوں کی قضا:

فرضی نمازوں کی قضا یا عدمِ قضا کے سلسلے میں اہلِ علم کی آرا مختلف ہیں۔ اس سلسلے میں ہم صرف اتنا کہنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں کہ جو شخص بھول کر یا سویا رہ کر کسی نماز کو قضا کر دے تو اس پر اس نماز کی قضا ضروری ہے، اس پر پوری امت کا اتفاق ہے۔[2]

جیسا کہ نماز سے نبیِ اکرم ﷺ کے سوئے رہ جانے والی احادیث سے پتا چلتا ہے اور اگر کوئی شخص قصداً کوئی نماز چھوڑ دے تو ائمہ اربعہ سمیت جمہور اہلِ علم کے نزدیک گناہ گار

[1] فتح الباري (٢/ ٦٣)

[2] بداية المجتهد (١/ ١٤٢)

ہوگا اور اس کے لیے ان نمازوں کی قضا کرنا ضروری ہے۔

البتہ امام داود ظاہری، علامہ ابن حزم اور امام شافعی کے بعض اصحاب رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ایسا شخص گناہ گار تو ہے، لیکن وہ قضا نہیں کرسکتا۔ اسے چاہیے کہ توبہ و استغفار کے ذریعے اور مختلف نیک کاموں کی بدولت کفارے کی کوشش کرتا رہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ، العز بن عبد السلام، امام شوکانی رحمہ اللہ اور شیخ البانی کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔[1]

الغرض اہلِ علم کے مابین یہ ایک طویل بحث ہے، جس کی تفصیلات میں جانے سے بہتر یہی ہے کہ ائمہ اربعہ اور جمہور کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے کسی شکل میں بھی اپنے وقت سے رہ جانے والی نماز کو قضا ہی کر لیا جائے۔[2]

دیکھیں! عذر و مجبوری نہ ہونے اور محض کاہلی کے نتیجے میں موخر کرنے پر اس کی قضا بھی کی جائے اور توبہ و استغفار کر کے اس کوتاہی پر اللہ سے معافی بھی مانگی جائے، یہی احوط ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کسی عذر و مجبوری کی وجہ سے کسی نماز کا وقتِ ادا گزر ہی جائے، اول رہے نہ اختیار اور نہ اضطرار ہی، بلکہ نماز فوت ہو جائے تو اسے قضا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اگر کبھی ایک سے زیادہ نمازیں یکے بعد دیگرے رہ جائیں یا فوت ہو جائیں تو ان کی قضا کیسے کی جائے گی؟ کیا قضا نماز کے لیے اذان و اقامت بھی کہی جاسکتی ہے یا نہیں؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سوالوں کا تفصیلی جواب بھی ذکر کر دیا جائے، کیوں کہ ان کا تعلق بھی اوقاتِ نماز ہی سے ہے، تاکہ یہ موضوع تشنۂ تکمیل نہ رہے تو اس سلسلے میں سب سے پہلے موضوع ہے: قضا نماز کے لیے اذان۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: بداية المجتهد (١/ ١٤٢) نيل الأوطار (١/ ٢/ ٢٥، ٢٦) كتاب الصلاة لابن القيم (ص: ٧٢) السلسلة الصحيحة (١/ ٩٩۔ ١٠٢، ٦٨١۔ ٦٨٣) مجموع فتاویٰ ابن تيمية (٢٢/ ١٠٣) شرح صحيح مسلم للنووي (٣/ ٥/ ١٨٣) مشكاة المصابيح (١/ ١٩١)

[2] دیکھیں: السلسلة الصحيحة (١/ ١٠٢) شرح صحيح مسلم للنووي (٣/ ٥/ ١٨٣)

قضا نماز کے لیے اذان:

بعض صحیح احادیث میں مذکور نبیِ اکرم ﷺ کے اپنے عمل مبارک سے پتا چلتا ہے کہ قضا نماز کے لیے بھی اذان کہی جاسکتی ہے، بلکہ کہی جانی چاہیے۔ قدیم قول کے مطابق امام شافعی، اسی طرح امام ابو حنیفہ، امام احمد، ابو ثور اور امام ابن المنذر رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے کہ فوت شدہ نماز کے لیے بھی اذان دی جائے، جب کہ امام اوزاعی، مالک اور جدید قول کی رو سے امام شافعی کے نزدیک قضا کے لیے اذان نہ کہی جائے گی۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے کثیر اصحاب کے نزدیک بھی مذہب مختار یہی ہے کہ اذان کہی جائے، کیوں کہ اس کی دلیل صحیح حدیث ہے۔[1]

قائلینِ اذان کے دلائل میں سے ایک تو وہ حدیث ہے، جو صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک رات نبیِ اکرم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ کسی نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم سب کچھ دیر آرام کر لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَخَافُ أَنْ تَنَامُوْا عَنِ الصَّلَاةِ»

''میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم نماز سے سوئے نہ رہ جاؤ۔''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں سب کو جگا دوں گا، پس سب لوگ لیٹ گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے پشت کی ٹیک اپنی سواری سے لگائی تو ان پر بھی نیند غالب آ گئی اور وہ بھی سو گئے۔ نبیِ اکرم ﷺ اس وقت بیدار ہوئے جب سورج کا کنارہ افق سے نکل آیا تھا تو آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

«يَا بِلَالُ! اَيْنَ مَا قُلْتَ؟»

''اے بلال! تم نے جو وعدہ کیا تھا، اس کا کیا ہوا؟''

---

[1] صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ١٨٤ تا ١٧٨) فتح الباري (٢/ ٦٨) نيل الأوطار (١/ ٢/ ٦٠)

تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«مَا اُلْقِيَتْ عَلَيَّ نَوْمَةٌ مِثْلُهَا قَطُّ»

''مجھے تو ایسی گہری نیند آج تک کبھی نہیں آئی تھی۔''

تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِيْنَ شَآءَ وَرَدَّهَا عَلَيْكُمْ حِيْنَ شَآءَ، يَا بِلَالُ! قُمْ فَأَذِّنْ بِالنَّاسِ بِالصَّلَاةِ»

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھاری روحیں جب چاہا قبض کر لیں اور جب چاہا تمھیں لوٹا دیں۔ اے بلال! اٹھو اور لوگوں کو نماز کی طرف بلانے کے لیے اذان کہو۔''

بخاری شریف میں آگے یہ الفاظ ہیں:

«فَتَوَضَّأَ فَلَمَّا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ وَابْيَضَّتْ قَامَ فَصَلّٰى»[1]

''پس نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جب سورج سفید ہوگیا (کچھ اوپر چڑھ آیا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور نماز پڑھی۔''

سنن ابو داود میں ہے:

«فَصَلّٰى بِالنَّاسِ»[2] ''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔''

جب کہ مستخرج ابونعیم میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے ذکر کے بعد یہ بھی ہے:

«فَتَوَضَّأَ النَّاسُ» ''اور لوگوں نے بھی وضو کیا۔''

صحیح بخاری میں کتاب التوحید میں ہشیم بن حصین کے طریق سے جو حدیث مروی ہے، اس میں الفاظ یوں ہیں:

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٦٦، ٦٧)

[2] صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٢٣)

«فَقَضَوْا حَوَائِجَهُمْ فَتَوَضَّأُوْا إِلٰى أَنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ»[1]

''اور (بیدار ہونے کے بعد) لوگوں نے قضاے حاجت کی اور پھر وضو کیا، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا۔''

کچھ ایسے ہی الفاظ سنن ابی داود میں خالد عن حصین کے طریق سے مروی روایت میں بھی موجود ہیں۔

وقتِ کراہت میں قضا:

صحیح بخاری اور سنن ابی داود کے ان الفاظ سے پتا چلتا ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے سورج کے طلوع ہونے اور اس کے بلند ہو جانے (خوب صاف و روشن ہو جانے) تک جو نماز کو موخر کیا تھا، اس کا اصل سبب درحقیقت یہ تھا کہ لوگ قضاے حاجت سے واپس نہ ہوئے تھے (جیسا کہ ان الفاظ سے پتا چل رہا ہے) ورنہ یہ سبب ہرگز نہیں تھا کہ وقتِ کراہت گزر جائے۔[2]

اس طرح ان الفاظ نے وہ اختلافی مسئلہ بھی حل کر دیا، جو اوقاتِ نماز اور اوقاتِ مکروہہ سے تعلق رکھتا ہے، یعنی اگر کبھی کسی کے سوئے رہ جانے یا بھول جانے سے کسی کی نماز رہ جائے تو محض یاد آتے ہی یا بیدار ہوتے ہی پڑھ سکتا ہے۔ وہ چاہے وقتِ کراہت ہی کیوں نہ ہو، جس کے دلائل قریب ہی گزرے ہیں۔ فقہا (احناف) میں سے جو لوگ کہتے ہیں کہ وقتِ کراہت کو گزرنے دیا جائے، وہ اس پر اسی واقعے سے استدلال کرتے ہیں تو ان کے استدلال کا ضعف صحیح بخاری اور سنن ابی داود کی حدیث کے ان الفاظ نے واضح کر دیا ہے۔

الغرض اس واقعے پر مشتمل حدیث سے معلوم ہوگیا کہ وقت گزر جانے کے بعد قضا

[1] صحيح البخاري مع الفتح (١٣/ ٤٤٧) رقم الحديث (٧٤٧١)

[2] فتح الباري (٢/ ٦٧)

کی جانے والی نماز کے لیے بھی اذان کا کہنا ثابت ہے، اس حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں یوں تبویب کی ہے:

"باب الأذانِ بعد ذهابِ الوقتِ"

یعنی کسی نماز کا اَصل وقت گزر جانے کے بعد اذان کہنے کا بیان۔

صحیح بخاری میں امام موصوف کی یہ عادت ہے کہ کسی اختلافی مسئلے میں حکم پر مشتمل ایسی تبویب نہیں کرتے، سوائے اس کے کہ ان کے نزدیک کسی حکم کے دلائل قوی و راجح ہوں۔ حافظ عسقلانی شارح بخاری کے نزدیک یہاں ایسا ہی ہے کہ مولف کے نزدیک اذان کہنے کے دلائل قوی ہیں، لہٰذا امام بخاری نے تبویب ہی میں حکم بیان کر دیا ہے۔

ایسے ہی بعض احادیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس مقام پر نماز نہیں پڑھی تھی، بلکہ اس سے آگے نکل گئے تھے اور وہاں جا کر فجر کی نماز پڑھی تھی۔

آپ ﷺ کے اس جگہ سے کوچ کر جانے اور آگے کہیں جا کر نماز پڑھنے سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے کہ یہ وقتِ کراہت کے گزارنے کے لیے تھا، لیکن یہ استدلال بھی درست نہیں ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کے اس جگہ سے کوچ کر جانے کا سبب خود ان احادیث میں مذکور ہے، جیسا کہ صحیح مسلم، سنن نسائی، بیہقی اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

《 لِيَأْخُذْ كُلُّ رَجُلٍ برأْسِ رَاحِلَتِهِ فَإِنَّ هٰذَا مَنْزِلٌ حَضَرَنَا فِيهِ الشَّيْطَانُ 》[1]

''ہر شخص اپنی سواری پکڑ لے (اور آگے چل نکلے) بے شک یہ مقام ایسا ہے کہ جہاں ہمارے پاس شیطان پہنچ گیا ہے۔''

[1] الفتح الرباني ترتيب مسند أحمد (٢/ ٣٠٧) و اللفظ لأحمد، صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ١٨٣/٥) المنتقى مع النيل (١/ ٢/ ٥٩) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٦٠٦)

تو گویا اس وادی یا مقام پر شیطان کا ڈیرہ ہونے کی وجہ سے نبیِ اکرم ﷺ نے وہاں سے کوچ کیا تھا۔ شرح مسلم میں امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ شیطان کے ڈیروں میں (جہاں شیطان کا تسلط ہو) سے اجتناب کرنا مستحب ہے۔[1]

شیطان کے ڈیرے کن کن مقامات کو قرار دیا گیا، یہ ایک الگ اور مستقل موضوع ہے، جو آگے چل کر زیرِ بحث آئے گا۔ ان شاء اللہ۔ بہر حال قضائے نماز کے لیے اذان کا ثبوت اس واقعے میں موجود ہے، اس صحیح حدیث کی رو سے یہی راجح مسلک ہے اور اس کے دلائل پر مشتمل دیگر احادیث بھی ہیں، جن سے ہم صَرفِ نظر کر رہے ہیں۔

مانعینِ اذان کے دلائل کا جائزہ:

بعض دیگر احادیث میں اذان کا ذکر نہیں آتا، جیسا کہ صحیحین کی ان دونوں حدیثوں میں نمازوں کو ان کے اوقات کے بعد پڑھنے کا ذکر ہے، لیکن ان میں اذان کا تذکرہ نہیں آیا اور نہ صحیح مسلم میں حدیثِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے۔[2] ایسے ہی سنن ابی داود و بیہقی اور مسند احمد میں حضرت عمرو بن امیہ العمری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے۔[3] اس میں صرف اتنا مذکور ہے کہ ہم سفر میں نبیِ اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ آپ ﷺ نمازِ فجر سے سوئے رہ گئے، حتیٰ کہ سورج نکل آیا تو نبیِ اکرم ﷺ نے دو رکعتوں (سنتوں) سے نماز شروع کی، پھر نماز کی اقامت کہلوائی اور نماز پڑھی۔

ایسے ہی ایک دوسری حدیث سنن نسائی، مسند امام شافعی، صحیح ابن حبان و ابن خزیمہ اور مسندِ احمد میں ہے، جس میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق کا واقعہ بیان فرماتے

---

[1] دیکھیں: شرح النووي (٣/ ٥/ ١٨٣) و شرح الفتح الرباني (٢/ ٣٠٧)

[2] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٦٨) و نيل الأوطار (١/ ٢/ ٦٠)

[3] الفتح الرباني (٢/ ٣٠٦) وقال البناء "وسنده جيد"

ہیں اور بتاتے ہیں کہ ایک دن ہماری نمازِ ظہر وعصر اور مغرب قضا ہوگئیں تو مغرب کے بعد نبیِ اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا تو انھوں نے ظہر کی اقامت کہی۔ آپ ﷺ نے اس طرح ظہر کی نماز پڑھی، جیسے آپ ﷺ اس کے وقت پر اسے پڑھتے تھے، پھر عصر کی اقامت ہوئی اور اسے بھی ایسے ہی پڑھا، جیسے کہ اس کے وقت میں پڑھتے تھے۔[1]

ان احادیث میں نمازوں کو ان کے اوقات کے بعد پڑھنے کا ذکر ہے، لیکن ان میں اذان کا تذکرہ نہیں آیا۔ ایسی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے امام اوزاعی، مالک اور جدید قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ نے ایسے موقع پر اذان نہ کہنے کی رائے اختیار کی ہے، لیکن یہ رائے مرجوح ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت کیا گیا ہے اور جن احادیث میں اذان کا ذکر نہیں آیا، ان کے بارے میں امام نووی رحمہ اللہ نے ان حضرات کو دو طرح سے جواب دیا ہے:

پہلا جواب:

ان احادیث میں اذان کا ذکر نہ آنے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ نے اذان کہلوائی ہی نہ ہو، بلکہ ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اذان کہلوائی ہو، مگر راوی نے اس کا ذکر نظر انداز کر دیا ہو یا پھر اذان کا راوی کو علم نہ ہوا ہو۔ یہ جواب فتح الباری میں بھی دیا گیا ہے۔[2]

دوسرا جواب:

ممکن ہے کسی مرتبہ آپ ﷺ نے اذان نہ کہلوائی ہو، بلکہ اسے ترک کر دیا ہو، تاکہ اذان ترک کر دینے کا جواز بیان کر دیں اور اس بات کی طرف اشارہ کر دیں کہ قضا نماز کے لیے

[1] المنتقى مع النيل (١/ ٢/ ٢٩، ٣٠) ونقل الشوكاني عن المعمري: وهذا إسناد صحيح جليل (١/ ٢/ ٣٠، ٦١) فتح الباري (٢/ ٦٩) مختصراً الفتح الرباني (٢/ ٣٠٩) وقال: رجال إسناده رجال الصحيح، و صححه ابن السكن.

[2] الفتح الرباني (٢/ ٧٠)

اور خصوصاً جب کہ سفر میں بھی ہو عام حالات کی طرح اذان واجب نہیں رہتی۔ یعنی اس کے وجوب میں کچھ نرمی آجاتی ہے۔[1]

سرّی و جہری نمازوں کی قضا:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی غزوۂ خندق والی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر دن کی کوئی سرّی نماز قضا ہو جائے اور اسے رات کے وقت پڑھا جائے تو رات ہونے کے باجود اسے سرّی ہی پڑھا جائے گا، یعنی اس میں قراءت جہری یا بلند آواز سے نہیں کی جائے گی، جیسا کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کے الفاظ ظہر وعصر کے بارے میں ہیں:

«فَصَلَّاهَا كَمَا يُصَلِّيهِمَا فِيْ وَقْتِهَا»[2]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس طرح پڑھا، جس طرح اسے اس کے وقت پر پڑھا کرتے تھے۔''

ایسے ہی فجر وغیرہ میں دن کے وقت بھی قراءت جہری ہوگی، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قضاے فجر سے پتا چلتا ہے۔[3]

قضا نماز کی اقامت و جماعت:

قضا نماز کے لیے اقامت و جماعت کے حکم کے سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں مستقبل ایک باب باندھا ہے:

''بابُ من صلّٰى بالناسِ جماعةً بَعْدَ ذهابِ الوقتِ''

---

[1] دیکھیں: شرح صحيح مسلم للنووي (٣/ ٥/ ١٨٣) و نيل الأوطار (١/ ٢/ ٦٠) الفتح الرباني (٢/ ٣١١)

[2] الفتح الرباني ترتيب، مسند أحمد (٣/ ٤٩، ٢٥، ٦٧) صحيح سنن النسائي (٦٣٨) نصب الراية (٢/ ١٦٥)

[3] نيل الأوطار (١/ ٢/ ٢٧) منتقى الاخبار.

''جس نے وقت گزر جانے کے بعد کسی نماز کو جماعت کے ساتھ لوگوں کو پڑھائی۔''

اس باب کے تحت جو حدیث لائے ہیں، وہ صحیح مسلم، ترمذی اور دیگر کتبِ حدیث میں بھی مروی ہے، جس میں غزوہ خندق یا خواب کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق کے دن غروبِ آفتاب کے بعد آئے، جب کہ وہ کفارِ قریش کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ''مَا كِدْتُ أُصَلِّيْ الْعَصْرَ حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ'' ''میں نمازِ عصر اس وقت تک نہیں پڑھ سکا، جب تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب نہیں ہوگیا۔'' تو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَ اللّٰهِ مَا صَلَّيْتُهَا» ''اللہ کی قسم! میں نے بھی ابھی تک نہیں پڑھی۔''

آگے وہ بیان فرماتے ہیں:

«فَقُمْنَا إِلٰى بُطحَانَ فَتَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ وَتَوَضَّأْنَا لَهَا، فَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرُبَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ»

''پس ہم سب وادیِ بطحان کی طرف گئے۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لیے وضو کیا اور ہم سب نے بھی اسی غرض کے لیے وضو کیا تو سورج غروب ہوجانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر پڑھی، پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز پڑھی۔''

اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ بات اخذ کی ہے کہ وقت گزرنے کے بعد بھی جب کوئی نماز پڑھی جائے تو اس کی جماعت کرانا نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، کیوں کہ حدیثِ مذکور کی رو سے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز غروبِ آفتاب کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر جماعت سے پڑھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ فتح الباری میں شارح بخاری لکھتے ہیں:

''اس حدیث میں قضا نمازوں کو باجماعت ادا کرنے کے استحباب کی دلیل ہے۔ اکثر اہلِ علم کا یہی قول ہے، سوائے لیث کے۔ اگر چہ وہ بھی نمازِ جمعہ کی قضا کی صورت میں اسے باجماعت ادا کرنے کے قائل ہیں اور ہر قضا نماز کے لیے اقامت کو بھی روا سمجھتے ہیں۔ (البتہ وہ ہر قضا کے لیے جماعت کے حق میں نہیں) جب کہ یہ حدیث اور بعض دیگر احادیث جماعت کے استحباب کے قائلین کی مؤید اور امام لیث کی رائے کے سراسر خلاف ہیں، جن میں سے ایک حدیث تو وہی ہے، جو صحیحین اور بعض دیگر کتبِ حدیث کے حوالے سے ''قضا نماز کے لیے اذان'' کے موضوع کے ضمن میں گزر چکی ہیں، جس میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ فجر سے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور لشکرِ اسلامی کے سوئے رہ جانے کا واقعہ بیان کیا ہے اور وہ نماز سب نے طلوعِ آفتاب کے بعد باقاعدہ اذان اور اقامت کے ساتھ باجماعت ادا کی تھی۔

''فجر سے سوئے رہ جانے والا واقعہ بھی کسی ایک حدیث میں نہیں، بلکہ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں آیا ہے اور سوائے دو ایک میں اذان کا ذکر نہ ہونے کے (جیسا کہ اس کا جواب بھی ذکر کیا جا چکا ہے) سبھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی مرویات میں اذان و اقامت اور جماعت کا ذکر ہے۔ اگر سوئے رہ جانے والے واقعہ کو صرف ایک مرتبہ ہی شمار کیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس واقعہ کو اپنے اپنے انداز سے بیان فرمایا ہے، جب کہ یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ وہ واقعہ ایک ہی مرتبہ پیش آیا ہو، بلکہ عین امکان ہے کہ ایسا واقعہ کئی مرتبہ پیش آیا ہو اور احادیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا واقعہ متعدد پیش آیا تھا اور امام نووی رحمہ اللہ نے تعددِ واقعہ کے قول ہی کو ترجیح دی ہے۔''[1]

[1] دیکھیں: شرح الفتح الرباني (٢/ ٣٠٩)

تو اس شکل میں یہ واقعہ سے متعلق حدیث مستقل ایک حجت و دلیل ہے کہ قضا نماز کو باجماعت ادا کرنا ہی مستحب ہے اور واقعۂ خندق یا غزوۂ احزاب کے دوران میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیحین کی حدیث کی رو سے تو صرف نمازِ عصر ہی قضا ہوئی تھی، جب کہ سنن نسائی، مسند شافعی، صحیح ابن حبان و خزیمہ اور مسند احمد کی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث (جو ابھی قریب ہی گزری ہے) کی رو سے غزوہ خندق کے موقع پر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کی یکے بعد دیگرے تین نمازیں ظہر، عصر اور مغرب سبھی قضا ہوگئی تھیں، جب کہ سنن ترمذی، نسائی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں وہ بیان کرتے ہیں:

« إِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ شَغَلُوْا النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ الْخَنْدَقِ عَنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ حَتّٰى ذَهَبَ مِنَ اللَّيْلِ مَا شَآءَ اللّٰهُ »

''مشرکین نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوۂ خندق کے دن چار نمازوں سے روکے رکھا، حتیٰ کہ رات کا ایک حصہ گزر گیا، جتنا کہ اللہ نے چاہا۔''

آگے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

« فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعِشَآءَ »[1]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا تو انھوں نے اذان کہی، پھر اقامت کہی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر انھوں نے اقامت کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی، پھر انھوں نے اقامت کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز پڑھی، پھر انھوں نے اقامت کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا کی نماز پڑھی۔''

[1] الفتح الرباني (٢/ ٣٠٩، ٣١٠) سنن الترمذي مع التحفة (١/ ٥٢٣) المنتقى مع النيل (١/ ٢/ ٦٠) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٦٣٩)

اس حدیث کونقل کرکے علامہ مجد الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "منتقیٰ الأخبار" میں امام ترمذی نے جامع میں کہا ہے کہ اس کی سند میں کوئی خاص قابلِ گرفت علت نہیں، "لیس بإسناده باسٌ" سوائے اس کے کہ اس کے دوسرے راوی ابوعبیدہ کا اپنے والد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع (سننا) ثابت نہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے "نیل الأوطار" میں لکھا ہے کہ اس کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں اور اس کی سند میں کوئی علت نہیں، سوائے ابوعبیدہ کے اپنے والد سے عدمِ سماع کے اور حفاظِ حدیث نے عدمِ سماع کو ہی یقینی قرار دیا ہے اور "الفتح الرباني" میں اس کی سند کو جید قرار دیا گیا ہے۔

موطا امام مالک میں واقع ایک طریق ایسا بھی ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ ان کی دو نمازیں یعنی نمازِ ظہر وعصر قضا ہوئی تھیں۔[1] اس طرح کی چار روایات ہیں اور سوئے رہ جانے والی احادیث کی طرح ہی سب قضا نماز کو باجماعت ادا کرنے کی دلیل ہیں۔

ایک اِشکال اور اس کا حل:

اب رہی یہ بات کہ ایسا کیوں ہے کہ بعض صحابہ نے غزوہ خندق کے موقع پر ایک نمازِ عصر قضا ہونے کا ذکر کیا ہے، بعض نے دو کا، کسی نے تین کا اور کسی نے چار کا؟

اس اشکال کے حل کی طرف ہم "صلاة الوسطیٰ" کی تعیین کے ضمن میں بھی اشارہ کریں گے کہ اہلِ علم میں سے بعض نے ترجیح کو اختیار کیا ہے اور معمری نے کہا ہے کہ صحیحین یعنی بخاری ومسلم میں جو ہے وہ راجح ہے۔ یعنی ترجیح اس بات کو ہے کہ صرف ایک نمازِ عصر ہی قضا ہوئی تھی، اس بات کی تصریح کرتے ہوئے امام ابن العربی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ مشرکین و کفارِ قریش نے جس نماز سے روکا تھا، وہ صرف ایک ہی نمازِ عصر تھی۔ شارح بخاری حافظ ابن حجر رحمہ اللہ "فتح الباري" میں لکھتے ہیں کہ امام ابن العربی رحمہ اللہ کے اس قول کی تائید صحیح مسلم (اور دیگر کتبِ حدیث) میں مروی حضرت علی رضی اللہ عنہ

---

[1] بحواله فتح الباري (٢/ ٦٩)

والی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں ہے:

«شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ صَلَاةِ الْعَصْرِ» [1]

''کفار نے ہمیں نمازِ وسطیٰ یعنی نمازِ عصر سے روکے رکھا۔''

یہ تو اس اشکال کا ایک حل ہوا کہ بخاری و مسلم کی احادیث چونکہ صحیح تر اور شکوک و شبہات سے بالا ہیں، لہٰذا یہی کہا جائے کہ صرف نمازِ عصر قضا ہوئی تھیں، جب کہ بعض اہلِ علم نے دوسری رائے اختیار فرمائی ہے اور ترجیح کے بجائے جمع و تطبیق سے اس اشکال کو حل کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ واقعہ خندق صرف ایک ہی دن پر نہیں، بلکہ کئی دنوں پر مشتمل ہے اور یہ مختلف صورتیں، مختلف ایام میں الگ الگ پیش آئیں۔ (یعنی یہ سبھی واقع ہوئیں، لیکن کوئی کسی دن اور کوئی کسی دوسرے دن) امام ابن سید الناس جیسے بعض اہلِ علم نے اس جمع و تطبیق سے رفعِ اشکال کو اولیٰ قرار دیا ہے۔ [2]

امام شوکانی رحمہ اللہ نے ''نیل الأوطار'' میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث میں نمازوں کے قضا ہونے کے ذکر پر مشتمل حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اگرچہ صحیحین کی حدیث میں صرف ایک نمازِ عصر کا ذکر ہے، لیکن اس حدیث اور ایسی ہی دیگر احادیث، جن میں سے کسی میں دو نمازوں کے قضا ہونے کا ذکر ہے تو کسی میں چار کا، ان میں صحیحین کی حدیث کی نسبت اضافی بات وارد ہوئی ہے اور اس اضافے کو لینا ضروری ہے۔ (خصوصاً جب کہ اس کی سند بھی قابلِ حجت ہو) اور کسی راوی نے اگر صرف نمازِ عصر کے ذکر پر ہی اکتفا کیا ہے تو یہ دوسرے (زیادہ نمازوں کو ذکر کرنے والے) راویوں کے لیے ذریعہ تردید و تنقید نہیں بن سکتا، جنھوں نے ظہر و عصر یا چار نمازیں کہی ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس نے صرف ایک نمازِ عصر کا ذکر کیا ہے، اس

[1] صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ١٢٨) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٤٥٩)

[2] فتح الباري (٢/ ٦٩، ٧٠) الفتح الرباني (٢/ ٣١١)

نے اپنے علم کے مطابق ذکر کیا ہے اور جو اُسے معلوم نہیں ہو سکا، وہ اس نے ترک کر دیا ہے (اور جنھیں ایک سے زیادہ نمازوں کی تاخیر و قضا کا علم ہوا، انھوں نے زیادہ بیان کر دیا) اور معروف قاعدہ ہے:

''مَنْ عَلِمَ حُجَّةٌ عَلَىٰ مَنْ لَمْ يَعْلَمْ''

''جسے کسی بات کا علم ہوگیا، وہ اس پر حجت ہے، جسے اس بات کا علم نہ ہوسکا۔''

اس طرح اس واقعہ کے کئی دنوں میں متعدد بار وقوع پذیر ہونے والی جمع و تطبیق کی بھی ضرورت نہیں رہ جاتی۔[1]

الغرض اس واقع کو ایک شمار کر لیں تو یہ ایک دلیل ہے کہ قضا نماز کی جماعت بھی مستحب ہے اور اگر اسے چار مختلف اوقات میں واقع ہونے والی صورتیں شمار کریں تو یہ چاروں الگ الگ دلائل ہیں کہ قضا کے لیے نبیِ اکرم ﷺ نے جماعت کرائی تھی۔

قضا نمازوں کو پڑھنے میں ترتیب:

قضا نمازوں کے لیے اذان و اقامت اور جماعت کے شرعی حکم کے بعد اب آیئے ایک تیسرے سوال کی طرف اور یہ سوال صرف اس صورت میں سامنے آتا ہے، جب کسی کی صرف ایک نماز قضا نہ ہوئی ہو، بلکہ متعدد نمازیں قضا ہوجائیں۔ ایسی شکل میں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان نمازوں کو ان کی اصل ترتیب کے مطابق ہی پڑھا جائے، جس ترتیب سے وہ قضا ہوئی ہیں یا قضا نمازوں کو پڑھتے وقت ترتیب کا خیال رکھنا واجب نہیں ہے اور کسی وقت کی ادا نماز اور قضا شدہ نماز میں ترتیب کا حکم کیا ہے؟

اس سلسلے میں بنیادی بات یہ ہے کہ قضا نمازوں کو پڑھتے وقت ان کی ترتیب کا خیال رکھنا ہی افضل اور اولیٰ ہے، تاکہ وہ جس ترتیب سے قضا ہوئی تھیں، اسی ترتیب ہی

---

[1] نيل الأوطار (١/ ٣٠٢)

سے پڑھی جا سکیں۔ یہ حکم بعض صورتوں میں استحباباً ہے، وجوباً نہیں، کیوں کہ بعض صورتوں میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے اور وجوب کی رائے رکھنے والے فقہا نے جو دلائل ذکر کیے ہیں، ان سے استدلال میں بعض اہلِ علم نے ضُعف واضح کیا ہے۔

قضا اور ادا میں ترتیب:

ائمہ وفقہا میں سے امام ابو حنیفہ، مالک، لیث، زہری، نخعی اور ربیعہ رحمہم اللہ نے قضا نماز کو کسی وقت کی ادا نماز سے پہلے پڑھنے کو واجب قرار دیا ہے۔ اگرچہ ان کے مابین بھی بعض تفصیلات میں اختلاف ہے۔ پہلے قضا پڑھنے اور پھر اس وقت کی ادا یا حاضر نماز پڑھنے والی ترتیب کے وجوب پر غزوہ خندق میں نمازِ عصر کے قضا ہونے اور غروبِ آفتاب کے بعد نمازِ مغرب سے پہلے پڑھنے اور پھر مغرب پڑھنے کے واقعہ پر مشتمل صحیحین اور دیگر کتبِ حدیث میں مروی حدیث سے استدلال کیا گیا ہے، جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ قضا و ادا میں سے پہلے قضا پڑھنا واجب نہیں ہے۔ وجوب کے قول والوں کا جواب دیتے ہوئے ''فتح الباري'' میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اور ''نیل الأوطار'' میں امام شوکانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ غزوہ خندق والی حدیث وجوب کی دلیل نہیں بن سکتی، سوائے اس کے کہ یہ مانا جائے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل محض امت کے حق میں وجوب کی دلیل ہے، جب کہ معروف قاعدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل محض اس فعل کے وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔ ہاں اگر معروف حدیثِ بخاری: «صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّيْ»

''تم بھی اسی طرح نماز پڑھو، جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔''

اس ارشادِ نبوی کے عمل سے استدلال کرتے ہوئے وجوب کا کہیں تو بات قوی ہو جاتی ہے، جب کہ اس مسئلے پر بحث کے سوا دیگر امور میں خود شافعیہ نے بھی اس کا اعتبار کیا ہے۔[1]

''نیل الأوطار'' میں آگے چل کر یہ بھی لکھا ہے کہ قائلینِ وجوب کا استدلال اس

[1] فتح الباري (٢/ ٧٢) نیل الأوطار (١/ ٢/ ٢٩)

بات سے بھی ہے کہ یاد آنے والی نماز، جو اصل وقت سے نکل چکی ہو، اب یاد آنے پر اس کا وقت بہت تھوڑا ہے، جب کہ وقتی نماز کا وقت کھلا ہے، لہٰذا تھوڑے اور تنگ وقت والی قضا نماز کو پہلے پڑھنا واجب ہے۔[1]

تنگ وقت والی حاضر نماز پہلے یا قضا پہلے؟:

فتح الباری کے ایک دوسرے مقام پر شارح بخاری حافظ عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ اگر کسی کو کسی حاضر نماز کے تنگ سے وقت ہی میں کوئی قضا نماز یاد آجائے تو وہ قضا کو پہلے پڑھے، چاہے حاضر نماز کا وقت گزر ہی کیوں نہ جائے یا حاضر نماز کو پہلے پڑھے یا اسے اختیار ہے کہ وہ ان دونوں میں سے جسے چاہے پہلے پڑھ لے؟

① پہلا قول ہے کہ قضا ہی کو پڑھے، چاہے حاضر کا وقت گزر ہی کیوں نہ جائے۔ یہ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے۔

② امام شافعی، اصحابِ رائے یعنی احناف اور اکثر اہلِ حدیث کا مسلک یہ ہے کہ (اس صورت میں) حاضر نماز کو پہلے پڑھے (تا کہ کہیں اس کا بھی وقت نہ نکل جائے)۔

③ امام اشہب رحمہ اللہ نے تیسرے قول کو اختیار کیا ہے کہ ان میں سے جسے چاہے پہلے پڑھ لے اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ اختلاف صرف اس وقت ہے، جب قضا نمازیں زیادہ نہ ہوں اور اگر قضا نمازیں (کثیر) زیادہ ہوں تو پھر اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ پہلے موجودہ وقت کی حاضر نماز ہی کو ادا کیا جائے گا، پھر نمازوں کی قلیل و کثیر کی حد میں بھی اختلاف ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ اگر صرف ایک ہی نماز قضا ہوئی ہو تو قلیل ہے۔ (اور زیادہ ہو جائیں تو کثیر) اور یہ بھی کا گیا ہے کہ اگر چار نمازیں قضا ہوں تو قلیل ہیں (اس سے زیادہ ہو جائیں تو کثیر)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کے اس قول سے اس بات کی وضاحت تو ہوگئی ہے کہ اگر قضا نماز

[1] نیل الأوطار (۱/ ۲/ ۲۹)

قلیل ہو، یعنی دو ایک ہو تو پہلے اسے پڑھ لیا جائے اور پھر وقتی نماز کو۔قلیل و کثیر کے سلسلے میں دو ایک نماز کو قلیل شمار کرنا ہی مناسب لگتا ہے اور یہی وہ صورت ہے، جس میں انھیں پڑھنے کی شکل میں وقتی نماز کا تنگ سا وقت نہیں گزرنے پائے گا۔ اگر وقت بھی تنگ ہو اور قلیل کی مقدار چار شمار کرتے ہوئے چار نمازوں کو یکے بعد دیگرے پڑھنے لگیں تو ظاہر ہے کہ پھر تو پانچویں حاضر نماز کے بھی قضا ہو جانے کا خدشہ ہے۔ ہاں اگر حاضر نماز کا وقت تنگ نہ ہو تو پھر دوسری بات ہے، تب چاروں یا تینوں ہی کو پہلے پڑھ لیں۔

جب حاضر نماز کی جماعت کھڑی ہو؟

یہ بھی اس وقت ہے جب کہ حاضر نماز کا وقت کافی ہو اور قضا پڑھنے والے صرف آپس ہی میں ہوں اور اگر قضا والا اکیلا ہے اور حاضر نماز کا وقت بھی بہت کم ہے، بلکہ ابھی ابھی شروع ہی ہوا ہے، لیکن جب وہ مسجد میں پہنچتا ہے تو دیکھتا ہے کہ حاضر یا وقتی نماز کی جماعت کھڑی ہو چکی ہے تو وہ کیا کرے؟

اسی سے ملتا جلتا سوال شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے بھی کیا گیا، جو ان کے مجموعہ فتاویٰ (۲۲/ ۱۰۶) میں مذکور ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ ایک شخص کی نمازِ عصر قضا ہو گئی۔ جب وہ مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ مغرب کی جماعت ہو رہی ہے تو کیا وہ قضا نماز مغرب سے پہلے پڑھے یا نہیں؟

حمد و ثنائے باری تعالیٰ کے بعد موصوف نے جواب دیا کہ وہ (عصر پہلے نہ پڑھے) بلکہ وہ امام کے ساتھ شامل ہو کر پہلے مغرب کی نماز پڑھے، پھر عصر کی نماز پڑھ لے، اس پر علما کا اتفاق ہے، لیکن کیا وہ عصر کی نماز کے بعد مغرب کی نماز کو پھر دہرائے گا یا نہیں؟ اس سلسلے میں ہمارے علما کے دو قول ہیں:

1 دہرائے گا۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، امام مالک، ابو حنیفہ اور مشہور روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے۔

2 وہ نمازِ مغرب کو نہیں دہرائے گا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما امام شافعی اور ایک قول میں امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان دونوں اقوال کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں، اگر کوئی شخص حسبِ استطاعت اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے تو:

"فَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُوجِبْ عَلَى الْعَبْدِ أَنْ يُصَلِّيَ الصَّلَاةَ مَرَّتَيْنِ"[1]

''بلاشبہہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے پر یہ واجب نہیں کیا کہ وہ کسی نماز کو دو مرتبہ پڑھے۔''

اس سے اگلے سوال کے ضمن میں انھوں نے لکھا ہے کہ ترتیب کو واجب قرار دینے والوں کا بھی اس میں اختلاف ہے کہ وقت کی تنگی میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے یا نہیں؟ امام احمد کے مشہور ترین قول میں ہے کہ ایسی ترتیب ساقط ہو جاتی ہے، جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا قول بھی ہے۔ البتہ ان کے ایک غیر معروف قول کی رو سے اسی طرح امام مالک کے نزدیک ایسے وقت میں بھی ترتیب ساقط نہیں ہوتی اور زیادہ مشہور ہی زیادہ صحیح بھی ہے۔ واللہ أعلم.[2]

قضا نماز اور خطبہ جمعہ:

ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی شخص جمعہ کے دن دوپہر کے وقت مسجد میں اس وقت داخل ہو، جب کہ خطبہ جمعہ شروع تھا اور اسے یاد آیا کہ اس پر تو ابھی ایک نماز قضا بھی ہے تو اس نے دورانِ خطبہ ہی وہ قضا نماز پڑھ لی، جب کہ وہ خطبہ کی آواز بھی نہیں سن پا رہا۔ کیا اس کا فعل صحیح ہے یا نہیں؟

اس سلسلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے کہ وہ خطبے کی آواز سن پا رہا ہو

---

1 مجموع الفتاویٰ (۲۲/ ۱۰٦)

2 مجموع الفتاویٰ (۲۲/ ۱۰۸)

یا نہ سن پا رہا ہو، اسے چاہیے کہ اگر وہ قضا نماز پڑھ لینے کے بعد بھی جمعہ کو پا سکتا ہے تو پہلے قضا نماز ہی پڑھے، بلکہ جمہور علما کے نزدیک ایسا کرنا ہی اس پر واجب ہے۔

کیوں کہ خطبے کے دوران میں جو نماز پڑھنے کی ممانعت ہے وہ علما کے صحیح تر قول کی رو سے فریضے کو شامل نہیں ہے اور قضا نماز فریضہ ہے، بلکہ وہ ممانعت تو تحیۃ المسجد کو بھی شامل نہیں ہے، کیوں کہ نبیِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ، وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلَا يَجْلِسْ حَتّٰى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ»

''جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور امام خطبہ دے رہا ہو تو پھر بھی وہ دو رکعت پڑھے بغیر نہ بیٹھے۔''

ایسے ہی قضا نماز کو ممنوع وقت میں پڑھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے، کیوں کہ نبیِ اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْفَجْرِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْفَجْرَ» [1]

''جس نے طلوعِ آفتاب سے پہلے فجر کی ایک رکعت بھی پڑھ لی، تو اس نے فجر کی نماز پالی (جیسا کہ اس کی تفصیل ذکر کی جا چکی ہے)۔''

متعدد قضا نمازوں کے پڑھنے میں ترتیب:

اب آیئے اس سلسلے کے آخری موضوع کو بھی حل کر لیں کہ اگر متعدد نمازیں قضا ہو گئی ہوں تو کیا انھیں پڑھتے وقت ترتیب واجب ہے یا نہیں؟ دراصل یہ مسئلہ بھی اہلِ علم

[1] صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٥/ ١٠٤) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٩٨) صحيح سنن النسائی، رقم الحديث (٥٠٤) الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان، رقم الحديث (١٨٢) و مجموع الفتاویٰ (٢٢/ ١٠٧)

کے مابین مختلف فیہ ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور بعض دیگر فقہا نے کہا ہے کہ ان کے مابین بھی ترتیب واجب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض فقہاے محدّثین کے نزدیک قضا نمازوں کو پڑھتے وقت ان کے مابین ترتیب واجب نہیں ہے۔

قائلینِ وجوب کا استدلال تو غزوہ خندق والی احادیث سے ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں "باب قضاء الصلاۃ الأولیٰ فالأولیٰ"، میں اسی طرف اشارہ کیا ہے اور اس باب کے تحت غزوہ احزاب سے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث وارد کی ہے، جس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا کفارِ قریش کو برا کہنا اور غروبِ آفتاب کے بعد نمازِ عصر اور پھر مغرب پڑھنے کا ذکر ہوا ہے۔ اس تبویب سے بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے کہ قضا نمازوں کو ترتیب ہی سے پڑھنا چاہیے، لیکن شارح بخاری لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے قائلینِ وجوب کا دلیل حاصل کرنا صحیح نہیں، سوائے اس کے کہ جب یہ کہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال امت کی نسبت وجوب کے لیے ہوتے ہیں۔ ہاں اگر ارشادِ نبوی:

«صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ»

''تم اسی طرح نماز پڑھو، جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔''

کے عموم سے استدلال کریں تو بات میں قوت آجاتی ہے اور خود شافعیہ نے بھی اس مسئلے کے سوا کئی امور میں اس کا اعتبار کیا ہے۔[1]

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ترتیب کا عدمِ وجوب ہی ظاہر ہے، کیوں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا محض کوئی فعل امت کے حق میں وجوب کے لیے نہیں ہوتا۔ اور «صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ» والی حدیث سے استدلال بھی اعتراض سے خالی نہیں ہے۔

قائلینِ وجوب کے بعض دیگر دلائل کا جائزہ:

ترتیب کے وجوب کو مزید قوی بنانے کے لیے بعض دیگر احادیث سے بھی استدلال

[1] نیل الأوطار (۱/ ۲/ ۳۰) الفتح الرباني (۲/ ۳۱۱)

کیا جاتا ہے کہ اگر وہ صحیح ہوتیں تو بات بن جاتی، لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں، جو قابلِ استدلال ہو۔ مثلاً معجم کبیر طبرانی اور مسند احمد میں ایک حدیث ہے، جس میں حضرت ابو جمعہ حبیب بن سباع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَامَ الْأَحْزَابِ صَلَّى الْمَغْرِبَ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ: هَلْ عَلِمَ أَحَدٌ مِنْكُمْ إِنِّي صَلَّيْتُ الْعَصْرَ؟ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَا صَلَّيْتَهَا فَأَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ فَصَلَّى الْعَصْرَ، ثُمَّ أَعَادَ الْمَغْرِبَ»

''نبیِ اکرم ﷺ نے غزوۂ احزاب کے موقع پر مغرب کی نماز پڑھی، جب آپ ﷺ نمازِ مغرب سے فارغ ہوگئے تو لوگوں سے پوچھا: کیا تم میں سے کوئی یہ بات جانتا ہے کہ میں نے عصر کی نماز پڑھی تھی یا نہیں؟ صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے عصر نہیں پڑھی، تب آپ ﷺ نے موذن کو حکم فرمایا اور اس نے اقامت کہی تو آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی اور پھر مغرب کی نماز دہرائی۔''

اس روایت میں نمازِ مغرب کو دہرانے کے الفاظ سے ترتیب کے وجوب کو کافی تقویت مل سکتی تھی، بشرطیکہ یہ حدیث قابلِ حجت ہو، لیکن ایسا نہیں، اس حدیث کے متن اور سند دونوں پر کلام کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں ''فتح الباري'' (٢/ ٦٩) میں لکھا ہے کہ اس حدیث کا صحیح ہونا محلِ نظر ہے، کیوں کہ یہ صحیح بخاری و مسلم میں وارد شدہ حدیث کے مخالف ہے اور وہ اس طرح کہ یہاں تو آپ ﷺ کی طرف یہ منسوب کیا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ نے مغرب کے بعد لوگوں سے پوچھا کہ میں نے عصر پڑھی ہے یا کہ نہیں اور بخاری و مسلم میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کفارِ قریش کو برا بھلا کہتے ہوئے آنے اور عصر کے غروبِ آفتاب کے قریب پڑنے کا سن کر حلفیہ فرمایا تھا:

«وَاللّٰهِ مَا صَلَّيْتُهَا» ''اللہ کی قسم! میں نے بھی عصر کی نماز نہیں پڑھی۔''

گویا نبیِ اکرم ﷺ ہرگز نہیں بھولے تھے، بلکہ مشرکین سے مقابلہ جاری ہونے کی وجہ سے عصر رہ گئی تھی۔ جب کہ اس روایت سے یہ اثر ملتا ہے کہ آپ ﷺ عصر ہی کو بھول گئے تھے اور آپ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھ لی تھی، پھر مغرب پڑھ چکنے کے بعد شک گزرا کہ میں نے تو شاید عصر نہیں پڑھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا تو پتا چلا کہ آپ ﷺ نے عصر نہیں پڑھی تھی۔ صحیحین کی حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس روایت کے متن کو غیر صحیح قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی سند کو بھی ضعیف قرار دیا گیا ہے، جس کی دو وجوہات ہیں:

1. اس کا ایک راوی ''محمد بن یزید'' جو ''ابن ابی زیاد فلسطینی'' ہے، اسے ابن ابی حاتم نے اپنے والد گرامی کے حوالے سے مجہول قرار دیا ہے اور اس کے بارے میں یہی بات امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہی ہے، ان دونوں کی طرح علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اسے مجہول کہا ہے۔

2. اس روایت کے ضعیف ہونے کی دوسری علت، اس کا ایک دوسرا راوی ابن لہیعہ ہے، جن کے بارے میں کلام معروف ہے کہ وہ خرابیِ حفظ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ "الدراية في تخريج أحاديث الهداية" میں حافظ عسقلانی رحمہ اللہ نے اسی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور "نصب الراية" میں علامہ زیلعی رحمہ اللہ حنفی نے اس روایت کو ان دونوں وجوہات کی بنا پر معلول قرار دیا ہے۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے "مجمع الزوائد" میں روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے (مسند میں) اور طبرانی نے "المعجم الكبير" میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے، جس میں ضعف پایا جاتا ہے۔ دورِ حاضر کے معروف محدث علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو اپنی کتاب "إرواء الغليل" میں ضعیف قرار دیا ہے۔[1]

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: نصب الراية (٢/ ٦٤) مجمع الزوائد (١/ ٣٢٤) إرواء الغليل (١/ ٢٩)

اس ساری تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ روایت مفیدِ مطلب نہیں ہے۔

ایسے ہی ایک روایت سنن کبریٰ بیہقی و دارقطنی میں مرفوعاً اور موطا امام مالک رحمہ اللہ میں موقوفاً حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلَمْ يَذْكُرْهَا إِلَّا وَهُوَ مَعَ الْإِمَامِ فَإِذَا سَلَّمَ الْإِمَامُ فَلْيُصَلِّ صَلَاتَهُ الَّتِي نَسِي، ثُمَّ لِيُصَلِّ بَعْدَهَا الصَّلَاةَ الْأُخْرٰی... وَفِي لَفظ: ثُمَّ لِيُعِدِ الَّتِيْ صَلّٰى مَعَ الْإِمَامِ»[1]

''کوئی شخص اپنی نماز پڑھنا بھول گیا اور اسے وہ اس وقت یاد آئی جب کہ وہ (کسی دوسری نماز کے لیے) امام کے ساتھ جماعت میں کھڑا تھا۔ اسے چاہیے کہ جب امام سلام پھیرے تو وہ اسی نماز کو پڑھ لے، جسے وہ بھول کر نہیں پڑھ سکا تھا اور پھر اس نماز کو دوبارہ پڑھ لے جو اس نے امام کے ساتھ پڑھی تھی۔''

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو دارقطنی و بیہقی نے مرفوعاً حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور امام دارقطنی نے کہا ہے کہ اس کے ایک راوی ابو ابراہیم ترجمانی کو وہم ہو گیا ہے کہ اس قول کو مرفوعاً بیان کیا ہے (ابو ابراہیم کا وہم واضح ہو گیا) اور یہ موقوف روایت سنن دارقطنی و موطا امام مالک میں موجود ہے۔ امام نسائی نے اس روایت کے بارے میں ''الکنیٰ'' میں کہا ہے کہ اس کا مرفوعاً بیان ہونا غیر محفوظ ہے اور ابو زرعہ نے کہا ہے کہ اس کا مرفوعاً بیان ہونا غلط ہے۔[2]

ایسے ہی ایک تیسری حدیث بھی ہے، جس میں ہے:

«لَا صَلَاةَ لِمَنْ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ»[3]

---

[1] سنن الدارقطني (ص: ١٦٢) و سنن البيهقي (٢/ ٢٢١) بحواله نصب الراية (٢/ ١٦٢)

[2] الدراية بحواله تحفة الأحوذي (١/ ٥٣٢)

[3] مصدر سابق.

''اس کی کوئی نماز نہیں، جس پر کوئی پہلی نماز واجب الاداء ہو۔''

جب کہ علامہ عینی حنفی نے اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ ابوبکر کے بقول یہ روایت باطل ہے اور بعض نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ جس پر کوئی فرض نماز باقی ہو، اس کی کوئی نفلی نماز نہیں ہوتی۔ علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ اس روایت کو ہم لوگوں کی زبان سے سنتے تو ہیں، لیکن مجھے اس کی کوئی اصل معلوم نہیں ہوسکی۔ یعنی یہ روایت بے اصل اور من گھڑت ہے۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت نہ صرف نا قابلِ استدلال ہے، بلکہ بے اصل اور جعلی ہے۔

خلاصہ کلام:

قضا نمازوں اور ان میں ترتیب سے متعلق گفتگو کا لبِ لباب اور خلاصہ یہ ہے کہ عذر و مجبوری کی وجہ سے جو نمازیں قضا ہو جائیں، ان کو با قاعدہ اذان و اقامت اور جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے اور ایک سے زیادہ قضا ہونے کی صورت میں انھیں ترتیب ہی سے پڑھنا بہتر ہے۔ حتیٰ کہ بعض اہلِ علم نے اسے واجب کہا ہے۔ بعض دیگر نے عدمِ وجوب کی رائے اختیار کی ہے اور اکثر محققین نے اسے ظاہر قرار دیا ہے۔ اگر کوئی مسجد میں پہنچے اور وہاں جماعت کھڑی ہو تو اسے چاہیے کہ پہلے وہ جماعت سے مل کر وہ حاضر نماز پڑھ لے اور بعد میں قضا نمازوں کو ترتیب وار پڑھ لے اور اس ادا شدہ نماز کو دہرانے کی بھی ضرورت نہیں، کیوں کہ دہرانے پر دلالت کرنے والی روایات نا قابلِ حجت ہیں۔

وتر اور سنتوں کی قضا:

قضا نمازوں کے سلسلے میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ کسی نماز کے قضا ہو جانے کی صورت میں کیا اس نماز کے صرف فرض ہی پڑھے جائیں گے یا اس کی سننِ راتبہ یا موکدہ سنتیں بھی پڑھنی چاہییں؟ تو اس سلسلے میں ''فتح الباري'' (٢/ ٦٨٠) میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

[1] دیکھیں: تحفة الأحوذي (١/ ٥٣٢)

نے اور شیخ احمد عبدالرحمٰن بن البناء نے "الفتح الرباني" (۳۱۲/۲) میں فجر کی نماز قضا ہو جانے والے واقعہ پر مشتمل حدیث کی شرح کے ضمن میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ قضا نماز کی موکدہ سنتیں بھی پڑھنی چاہییں، کیوں کہ صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب والی اس صحیح حدیث کی رو سے سورج طلوع ہونے کے بعد فجر پڑھنے کی صورت میں بھی نبیِ اکرم ﷺ نے سنتیں پڑھی تھیں۔

اس سلسلے میں امام محمد بن قدامہ نے "المغني" میں سنتوں کے بیان کے ضمن میں بڑی عمدہ بحث کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''وہ سنتیں جو فرضوں سے پہلے پڑھی جاتی ہیں (جیسے فجر و ظہر کی پہلی سنتیں ہیں) ان کا وقت نماز کے وقت کا آغاز ہونے سے لے کر نماز پڑھ چکنے کے درمیان ہے اور وہ سنتیں جو فرضوں کے بعد پڑھی جاتی ہیں (جیسے ظہر و مغرب اور عشا کی سنتیں ہیں) ان کا وقت نماز پڑھ چکنے سے لے کر اس نماز کا وقت گزر جانے تک ہے۔ اگر کوئی سنتیں اپنے ان اوقات سے رہ جائیں (قضا ہو جائیں) تو امام احمد رحمہ اللہ کا کہنا ہے:

''فجر کی دو سنتوں کو قضا کرنے اور عصر کے بعد (ظہر کی آخری دو رکعتوں کو) قضا کرنے کے سوا کسی دوسری سنتوں کو قضا کرنا ہمیں نبیِ اکرم ﷺ سے معلوم نہیں ہو سکا (یعنی امام احمد کے نزدیک فجر کی پہلی دو سنتوں اور ظہر کی آخری دو سنتوں کی قضا کرنا ثابت ہے)۔''

ابن حامد رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''تمام موکدہ سنتوں کو اوقات مکروہہ کے سوا تمام اوقات میں قضا کیا جائے گا، کیوں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے بعض نمازوں کی موکدہ سنتوں کو قضا کیا ہے اور باقی نمازوں کی موکدہ سنتوں کو ہم انھی پر قیاس کرتے ہیں۔''

آگے امام ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ہمارے بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ ضحیٰ یا چاشت کے وقت تک فجر کی دوسنتوں کو اور ظہر کی (آخری) دوسنتوں کے سوا کوئی سنتیں قضا نہیں کی جائیں گی۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے کہا ہے:

''فجر کے بعد میں وتروں کی قضا کو جانتا ہوں اور فجر کی سنتیں ضحیٰ کے وقت تک قضا کی جاسکتی ہیں۔''

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا ہے:

''فجر کی سنتوں کو دوپہر یعنی وقتِ زوال تک قضا کیا جاسکتا ہے، پھر اس کے بعد نہیں۔''

امام ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر اور حسن بصری رحمہم اللہ کا کہنا ہے:

''جب سورج طلوع ہو جائے تو پھر کوئی وتر نہیں۔''

بعض دیگر اہلِ علم کا کہنا ہے:

''جس نے فجر کی نماز پڑھ لی، اب اس پر کوئی وتر نہیں ہے۔ جب کہ پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے، جس کی وجہ ہم نے ذکر کر دی ہے۔''

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ آدمی کے لیے کچھ ایسے نوافل ہوں، جس کی وہ پابندی کرتا ہو، جو اگر کبھی فوت ہو جائیں تو انھیں قضا کر لے۔''[1]

آگے چل کر امام ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''وتر فرض کے درجے کی نماز تو نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص صرف فرض نماز ہی پڑھ لے تو جائز ہے اور وتر وسُننِ فجر سنتِ موکدہ ہیں، اگر کوئی چاہے تو وتر کی قضا

[1] المغني لابن قدامة بتحقيق ڈاکٹر ترکی (٢/ ٥٤٤)

کرلے اور نہ چاہے تو نہ کرے اور پھر فجر کی سنتوں اور وتر میں موازنہ کرتے ہوئے زیادہ بہتر اس بات کو قرار دیا گیا ہے کہ وتر فجر کی سنتوں سے زیادہ تاکید والے ہیں۔''[1]

سنتوں کی قضا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے بھی ایک سوال کیا گیا تھا کہ ایک آدمی کی ایک سے زیادہ نمازیں قضا ہوگئی ہیں تو کیا اب وہ موکدہ سنتوں سمیت انھیں پڑھے یا ان کی صرف فرض رکعتیں پڑھے گا اور کیا شب و روز کے تمام اوقات میں قضا نمازوں کو پڑھ سکتا ہے؟ اس پر موصوف نے جواب دیا تھا:

''قضا نمازیں زیادہ ہوں تو سنتوں یا نوافل میں مشغول ہونے سے بہتر یہ ہے کہ جلد از جلد قضا نمازوں کے فرائض پڑھ لے اور اگر قضا نمازیں قلیل ہوں تو انھیں سنتوں سمیت پڑھنا اچھا ہے، کیوں کہ جب نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوۂ حنین کے موقع پر (راستے میں) نمازِ فجر سے سوئے رہ گئے تھے تو انھوں نے سنتیں اور فرض سبھی قضا کیے تھے اور غزوۂ خندق کے موقع پر جب نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد نمازیں رہ گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سنتوں کے بغیر صرف فرض قضا کیے تھے۔''

دوسرے حصے کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قضا شدہ فرض نمازیں تمام اوقات میں (بلاتفریق اوقاتِ مکروہہ وغیر مکروہہ) پڑھی جا سکتی ہیں، کیوں کہ صحیح حدیث میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْفَجْرِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيَصِلْ إِلَيْهَا أُخْرٰى»[2]

---

[1] المغني لابن قدامة بتحقيق ڈاکٹر ترکی (۲/ ۵۹۵)

[2] مجموع الفتاویٰ (۲۲/ ۱۰۴) الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان، رقم الحديث (۵۸۱)

''جس نے طلوعِ آفتاب سے پہلے فجر کی ایک رکعت پا لی تو اسے چاہیے کہ اس کے ساتھ ہی دوسری رکعت بھی ملا لے۔''

اس حدیث کے ان الفاظ میں اگرچہ صرف نمازِ فجر کا ذکر ہے، لیکن موصوف کا استدلال اس طرح ہے کہ اوقاتِ مکروہہ میں (جوطلوعِ آفتاب کا وقت ہے) اس میں فجر کی نماز قضا کی جاسکتی ہے تو دوسرے اوقاتِ مکروہہ میں کوئی بھی فرض نماز قضا کی جا سکتی ہے، جیسا کہ اوقاتِ مکروہہ سے استثنائی صورتیں ذکر کی جاچکی ہیں۔

الغرض موصوف کا یہ فتویٰ انتہائی معتدل ہے کہ اگر قضا نمازیں زیادہ ہوں تو صرف فرض پڑھ لیں اور اگر قضا نماز صرف ایک آدھی ہوتو موکدہ سنتیں بھی پڑھ لیں۔

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ صحیح مسلم، سنن کبریٰ بیہقی اور مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث ہے:

«إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا غَلَبَتْهُ عَيْنُهُ أَوْ وَجَعٌ فَلَمْ يُصَلِّ بِاللَّيْلِ صَلّٰى بِالنَّهَارِ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً»[1]

''نبیِ اکرم ﷺ جب غلبہ نیند یا کسی تکلیف کی وجہ سے رات کو (تہجد کی) نماز نہ پڑھ پاتے تو دن چڑھنے پر بارہ رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔''

ایسے ہی سنن ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد اور مستدرک میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

«مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ أَوْ نَسِيَهُ فَلْيُوْتِرِ إِذَا ذَكَرَهُ أَوِ اسْتَيْقَظَ»[2]

''جو شخص وتر سے سویا رہ جائے یا بھول جائے تو اسے چاہیے کہ بیدار ہونے پر

[1] صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٦/ ٢٨) الفتح الرباني (٢/ ٣١٢)

[2] صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (١٢٦٨) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١١٨٨) سنن الترمذي مع التحفة (٢/ ٥٦٨) الإرواء (٢/ ١٥٣) و مشكاة (١/ ٣٩٧ـ ٣٩٩) و حاله، صحيح الجامع، رقم الحديث (٦٥٦٢)

یا یاد آنے پر پڑھ لے۔‘‘

اسی طرح مسند احمد اور طبرانی اوسط میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہُ ﷺ یُصْبِحُ فَیُوْتِرُ»[1]

’’نبیِ اکرم ﷺ صبح ہونے پر وتر پڑھ لیتے تھے۔‘‘

سنن بیہقی اور مستدرک حاکم (وصحہ) میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«رُبَمَا رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یُوْتِرُ وَقَدْ قَامَ النَّاسُ لِصَلَاۃِ الصُّبْحِ»[2]

’’بعض دفعہ میں نے نبیِ اکرم ﷺ کو اس وقت بھی وتر پڑھتے دیکھا، جب لوگ نمازِ فجر پڑھنے کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔‘‘

فجر و ظہر کی سنتوں کی قضا سے متعلقہ احادیث سے احکام اخذ کرتے ہوئے شیخ عبدالرحمٰن البنا لکھتے ہیں:

> ’’ان احادیث میں موکدہ سنتوں، وتر اور تہجد وغیرہ کی قضا کی مشروعیت کا ثبوت ہے۔ ائمہ اربعہ سمیت بعض دیگر ائمہ اور صحابہ و تابعین کی ایک جماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وتر قضا ہو جائیں تو ان کی قضا ہے، لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ کب تک قضا ممکن ہے؟‘‘

اس سلسلے میں تین اقوال ہیں:

1. فجر پڑھنے سے پہلے پہلے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام عطاء، مسروق، حسن بصری، نخعی، مکحول قتادہ، مالک، شافعی، احمد، اسحاق، ابو ایوب اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ کا مسلک ہے، جیسا کہ قیام اللیل للمروزی میں منقول ہے۔
2. دن یا رات کو جب بھی موقع ملے، قضا کر لے۔ شافعیہ کا فتویٰ اسی پر ہے۔

---

[1] شرح الفتح الرباني (٢/ ٣١٢)

[2] حواله سابقه. و الإرواء (٢/ ١٥٥)

3 سونے یا بھولنے کی شکل اور جان بوجھ کر چھوڑنے کی شکل میں تفریق۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ سونے یا بھولنے کی شکل میں دن یا رات کے کسی وقت میں جاگے یا یاد آئے تو پڑھ لے اور جان بوجھ کر چھوڑنے کی صورت میں جب اس پر فجر طلوع ہو جائے تو وہ اسے قضا کر ہی نہیں سکتا۔

وتر کے علاوہ دیگر نوافلِ راتبہ یعنی سنن مؤکدہ کی قضا کے بارے میں بھی اہلِ علم کے کئی اقوال ہیں:

1 عذر سے قضا ہوں یا بلا عذر، مطلقاً ان کی قضا مستحب ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، عطاء، طاؤس، قاسم بن محمد، ابن جریج، اوزاعی، قول جدید میں امام شافعی، احمد، اسحاق، محمد بن حسن (تلمیذ امام ابوحنیفہ) اور مزنی رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔

2 ان کی قضا نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ، مالک، مشہور روایت کے مطابق ابو یوسف، قدیم کے مطابق امام شافعی اور ایک روایت کی رو سے امام احمد رحمہ اللہ کا بھی مسلک ہے۔ امام مالک کا مشہور مسلک یہ ہے کہ فجر کی سنتوں کو طلوعِ آفتاب کے بعد قضا کیا جائے۔

3 مستقل بالذات اور تابع لغیر میں تفریق۔ یعنی نمازِ عید و نمازِ ضحیٰ وغیرہ کی قضا ہے اور فرض نمازوں کی سنن موکدہ کی قضا نہیں ہے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول ہے۔

4 اختیار ہے، چاہے تو قضا کر لے اور چاہے تو نہ کرے۔ یہ احناف اور امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے۔

5 نیند و بھول کے عذر اور بلا عذر قضا میں تفریق، عذر پر قضا ہے۔ بلا عذر یعنی عمداً پر قضا نہیں ہے۔ یہ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور جمہور کا کہنا ہے کہ جب عذر پر قضا ہے تو عمداً بلا عذر پر بالاولیٰ قضا ہے۔[1] واللّٰه أعلم

---

[1] شرح الفتح الرباني (٢/ ٣١٣، ٣١٤) موطأ الإمام مالك (١/ ١/ ١٤٧) نيل الأوطار (٢/ ٣/ ٤٧-٤٨) تحفة الأحوذي (٢/ ٧٦٨- ٥٧) بذل المجهود (٤/ ٣٣٧) طبع ثالث بيروت.

الغرض فجر اور ظہر کی دو دو سنتوں کی اہمیت ذکر کی جا چکی ہے اور نبیِ اکرم ﷺ کا انہیں قضا کرنا بھی ثابت ہے۔ وتروں کو فجر کی سنتوں سے بھی زیادہ موکد شمار کیا گیا ہے، لہٰذا کم از کم مذکورہ رکعتوں کو تو قضا کر لینا ہی زیادہ بہتر ہے۔

عشا سے پہلے سونا اور بعض استثنائی صورتیں:

اب نماز پنج گانہ کے اوقات کا موضوع ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ عشا سے پہلے سونے اور نمازِ عشا کے بعد فضول باتیں کرنے کے بارے میں شرعی نقطہ نظر کی بھی تھوڑی سی وضاحت کر دی جائے، اس سلسلے میں صحیحین اور سنن اربعہ کے حوالے سے حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث گزر چکی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

« إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ الْعِشَآءَ الَّتِي يَدْعُوْنَهُ الْعَتَمَةَ، وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا »[1]

''نبیِ اکرم ﷺ نمازِ عشا جس کو لوگ ''عتمہ'' بھی کہتے تھے، اسے موخر کرنے کو مستحب سمجھتے اور اس سے پہلے سونے اور اس کے بعد باتیں کرنے کو مکروہ جانتے تھے۔''

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر اہلِ علم نمازِ عشا سے پہلے سونے کو مکروہ شمار کرتے ہیں اور بعض نے اس کی رخصت دی ہے خصوصاً ماہ رمضان میں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن سے رخصت منقول ہے، ان سے بھی اس شرط کے ساتھ رخصت منقول ہے کہ سونے والے کے پاس ایسا شخص موجود ہو، جو اُسے نماز کے لیے جگا دے یا وہ خود سے اٹھ جاتا ہو اور یہ شرط مناسب بھی ہے، کیوں کہ نمازِ عشا سے پہلے سونے کی ممانعت کا

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٤٩، ٧٣) صحيح مسلم (٣/ ٥/ ٤٥۔ ١٤٦) نصب الراية (١/ ٢٤٨) المنتقىٰ مع النيل (١/ ٢/ ١٣) الفتح الرباني (٢/ ٢٧٢) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٨٥) صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (١٤٢) صحيح سنن النسائي (٥١٦) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٧٠١)

سبب اس کا وقت نکلنے کا خدشہ ہے۔ امام طحاوی نے رخصت کو عشا کا وقت ہونے سے پہلے پہلے پر اور ممانعت کو عشا کا وقت ہو جانے کے بعد پر محمول کیا ہے۔[1]

قائلینِ کراہت کا استدلال تو اسی مذکورہ حدیث اور ایسی ہی بعض دیگر احادیث سے ہے، جب کہ قائلینِ جواز کا استدلال صحیح بخاری کی اس حدیث سے ہے، جس میں ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے ایک رات نمازِ عشا کو بہت موخر کر دیا تو اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو آواز دیتے ہوئے فرمایا:

«اَلصَّلَاةَ! نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ»[2]

''نماز کے لیے تشریف لائیں کہ اب تو عورتیں اور بچے سو گئے ہیں۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یوں باب باندھا ہے:

"بابُ النَّوم قبلَ العشآءِ لمن غُلِبَ"

''عشا سے پہلے غلبہ نیند کی وجہ سے سونے کے جواز کا بیان۔''

گویا ان کے نزدیک عشا سے پہلے سونا تب مکروہ ہے، جب آدمی کی اپنی مرضی و احتیاط سے ہو، ورنہ نہیں، کیوں کہ عورتوں اور بچوں کے سو جانے کا سن کر بھی آپ ﷺ نے ان پر نکیر نہیں کی تھی۔

شارح بخاری فرماتے ہیں:

''اگر ایسی حالت میں نماز کے انتظار کے لیے بیٹھے بیٹھے سونے اور اپنے گھر میں غلبہ نیند کی وجہ سے سونے میں فرق کیا جائے تو یہ زیادہ اولیٰ ہے۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ نے ابن سید الناس سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

''نماز کے انتظار میں بیٹھے بیٹھے سونا تو کوئی ممنوع نہیں ہے اور نہ اس کا نیند

---

[1] الفتح الرباني (٢/ ٤٩) نيل الأوطار (١/ ٢/ ١٣)

[2] صحيح البخاري مع الفتح، رقم الحديث (٥٦٩)

سے کوئی تعلق ہے، بلکہ وہ نیند کی ابتدائی حالت اونگھ ہے۔ یعنی اس حالت میں اونگھنے کی ممانعت کیسے ہوسکتی ہے اور اس سے نیند کے جواز کا استدلال کیسے کیا جاسکتا ہے؟''[1]

مختصر یہ کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے بقول اکثر اہلِ علم کے نزدیک عشا سے پہلے سونا مکروہ ہے اور ابن سید الناس کہتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت نے اسے مکروہ قرار دیا ہے اور شدت سے ممانعت بیان کی ہے۔ جب کہ ان میں سے حضرت عمر، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کا اختیار بھی کراہت ہی ہے اور امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ اکثر احادیث کراہت ہی پر دلالت کرتی ہیں۔

حضرت علی اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما اور فقہاے کوفہ جواز کے قائل تھے اور بعض نے اس میں جگانے والے کی موجودگی شرط عائد کی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے اور امام طحاوی رحمہ اللہ سے بھی۔ امام ابن العربی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

''کوئی جگانے والا موجود ہو یا خود سے جاگ جانے کی عادت ہو تو پھر سونا جائز ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال کی تفصیل آپ کے سامنے ہے۔ اکثریت کا مسلک کراہت کا ہے اور زیادہ احتیاط پر بھی یہی مبنی ہے۔''[2]

اب آیئے اس حدیثِ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے آخری حصے میں مذکور مسئلے کی طرف۔

عشا کے بعد باتیں کرنے کی کراہت اور استثنائی صورتیں:

نمازِ عشا کے بعد باتیں کرنے کے بارے میں بھی اہلِ علم کے دو گروہ ہیں۔ بعض علما کا کہنا ہے کہ نمازِ عشا کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہے اور ان کا استدلال ایک تو اسی حدیث سے ہے، جو حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اسی بات کی دلیل وہ حدیث بھی

[1] نيل الأوطار (١/ ٢/ ١٤)

[2] شرح صحيح مسلم للنووي (٣/ ٥/ ١٤٢۔ ١٤٧) نيل الأوطار (٢/ ١٣۔ ١٤)

ہے، جس کی طرف امام ترمذی رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے، جو سنن ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

«جَدَبَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم السَّمَرَ بَعْدَ الْعِشَآءِ»[1]

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نمازِ عشا کے بعد باتیں کرنے سے منع فرمایا۔''

اسی مفہوم کی دیگر احادیث کے پیشِ نظر نمازِ عشا کے بعد باتیں کرنے کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، جب کہ بعض علما نے بھلائی کی باتوں کو جائز قرار دیا ہے اور اس کے دلائل بھی موجود ہیں، حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ والی حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے امام نووی رحمہ اللہ نے ''المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج'' میں لکھا ہے:

''نمازِ عشا کے بعد باتیں کرنے کی کراہت کا سبب یہ ہے کہ وہ رات کو طویل وقت تک جگائے رکھیں گی، جس کے نتیجے میں وہ شخص تہجد یا ذکر و تلاوت سے رہ جائے گا، یا نمازِ فجر کو اس کے جائز و مختار یا افضل وقت میں ادا نہیں کر سکے گا اور رات کو باتوں میں جاگنا اسے دن کے وقت سست کر دے گا، جس سے وہ حقوقِ دین، امورِ اطاعت اور دنیوی مصلحتوں سے بھی محروم ہوسکتا ہے۔''

پھر امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''نمازِ عشا کے بعد باتیں کرنے کے مکروہ ہونے پر علماے امت کا اتفاق ہے، سوائے ان باتوں کے جو خیر پر مبنی ہوں۔ مثلاً حصولِ علم کی غرض ہو، مہمان آجائے، دلہن کا دل بہلانا ہو، شفقت و محبت میں اپنے بچوں اور اہلیہ سے کچھ باتیں ہوں، اصلاح بین الناس اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی باتیں ہوں تو ان میں کوئی کراہت نہیں ہے اور ان میں سے بعض امور کے بارے میں صحیح احادیث میں اجازت وارد ہوئی ہے۔''[2]

---

[1] المنتقیٰ (١/ ٢/ ١٤) الفتح الرباني (٢/ ٢٧١) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٧٠٣)

[2] شرح صحيح مسلم للنووي (٢/ ٣/ ١٤٦۔ ١٤٧)

جن احادیث و دلائل کی بنا پر نمازِ عشا کے بعد باتوں کو جائز قرار دیا گیا ہے، خصوصاً جب کہ وہ باتیں بھلائی اور دینِ و آخرت کی ہوں، علم سے تعلق رکھتی ہیں یا پھر وہ باتیں ہوں جو حوائج ضروریہ میں شمار ہوتی ہیں، مثلاً اہلیہ، بچوں اور مہمان سے گفتگو، ان امور کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے جو سنن ترمذی، نسائی اور مسند احمد میں ہے، جس میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

« إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَسْمُرُ هُوَ وَ أَبُوْ بَكْرٍ فِي الْأَمْرِ مِنْ أُمُوْرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَأَنَا مَعَهُمَا »[1]

”نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی فلاح کے امر میں سے کسی امر میں (نمازِ عشا کے بعد) باتیں کرتے تھے اور (میں بھی) ان کے ساتھ ہوتا تھا۔“

جواز کی دوسری دلیل صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر مہمان بن کر گیا اور یہ اس رات تھا جب کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں تھے، تاکہ میں دیکھوں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نمازِ تہجد کیسے پڑھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

« فَتَحَدَّثَ النَّبِيُّ ﷺ مَعَ أَهْلِهِ سَاعَةً ثُمَّ رَقَدَ... »[2]

”نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجۂ محترمہ سے باتیں کیں اور پھر سو گئے۔“

اس حدیث سے یوں استدلال کیا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عشا کے بعد گھر تشریف لے گئے تھے اور گھڑی بھر کے لیے گھر والوں سے باتیں کی تھیں۔

---

[1] الفتح الرباني (٢/ ٢٧٢) فتح الباري (٢/ ٧٤) و (١/ ٢١٣) المنتقىٰ (٢/ ١٤) صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (١٤٣)

[2] المنتقىٰ مع النيل (١/ ٢/ ١٥) في فتح الباري (١/ ١٢٣) صحيح البخاري (١/ ٢١٢) صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٦/ ٥٠، ٥١)

صاحبِ ''نیل الأوطار''، تو لکھتے ہیں:

''اس حدیث کو انھوں نے اپنے لیے دلیل بنایا ہے، جو نمازِ عشا کے بعد مطلقاً باتوں کے جواز کے قائل ہیں، وہ خیر و طاعت کی ہوں یا عام باتیں ہوں۔ ممکن ہے کہ یہ واقعہ جواز کے لیے ہی ہو۔ تاکہ ممانعت والی احادیث کو نہی تحریمی پر محمول نہ کیا جائے۔''[1]

یہاں یہ بات بھی واضح کر دیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے اور بھانجے کا خالہ کے گھر میں اس طرح رات رہنا بلاشبہہ ممکن ہے، کیوں کہ خالہ محرمات میں سے ہوتی ہے اور وہ تو ان کی صرف خالہ ہی نہیں، بلکہ اُمّ المومنین بھی تھیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے کتاب العلم کے باب (۴۰ اور ۴۱) میں اسی طرح ''کتاب مواقیت الصلاۃ'' کے باب (۴۰ اور ۴۱) میں خیر و بر اور تعلیم و تعلم کے لیے باتیں کرنے کے جواز پر دلالت کرنے والی احادیث ذکر کی ہیں۔ جب کہ ''کتاب مواقیت الصلاۃ'' کے باب (۳۹) میں حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ والی حدیث نقل کی ہے اور اس طرح باب باندھا ہے:

''بابُ مَا يُكْرَهُ من السَّمَرِ بَعْدَ الْعِشَآءِ''

اس طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے واضح کر دیا کہ عام مباح باتوں میں راتوں کو جاگتے رہنا تو مکروہ ہے، البتہ خیر و بر کی باتوں کے لیے یہ جائز ہے۔ چنانچہ کتاب العلم کے چالیسویں باب میں اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث لائے ہیں، جس میں وہ فرماتی ہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات نیند سے بیدار ہوئے تو فرمایا:

« سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا ذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتَنِ، وَمَا ذَا فُتِحَ مِنَ

[1] نیل الأوطار (۲/ ۱۵)

الْخَزَائِنِ، أَيْقِظُوا صَوَاحِبَ الْحُجَرِ فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ» [1]

''اللہ پاک ہے، آج رات کتنے ہی فتنے نازل ہوئے ہیں اور کتنے ہی خزائن کھلے ہیں! پھر فرمایا: ان حجروں میں موجود تمام امہات المومنین کو جگا دو، کتنی ہی عورتیں دنیا میں تو لباس پہنے ہوئے ہیں، مگر آخرت میں عریاں ہوں گی۔''

اس حدیث کو ''باب العلم والعظة بالليل'' میں لاکر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بات پر تنبیہ کرنا چاہی ہے کہ نمازِ عشا کے بعد جن باتوں کی ممانعت ہے، وہ ایسی باتیں ہیں، جن میں کوئی خیر نہ ہو۔ [2]

بخاری شریف کے کتاب العلم کے اکتالیسویں باب ''باب السمر في العلم'' میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی وہ مشہور حدیث لائے ہیں، جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں ایک رات ہمیں عشا کی نماز پڑھائی، سلام پھیرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور (خطبہ دیتے ہوئے) فرمایا:

«رَأَيْتُكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهِ فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لَا يَبْقٰى مِمَّنْ هُوَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ» [3]

''یہ آج کی رات تم نے دیکھی ہے؟ آج سے ایک سو سال تک کوئی ذی روح، جو اس وقت روئے زمین پر ہے، نہیں رہے گا۔''

اس روایتِ ابن عمر رضی اللہ عنہما میں تو اس ارشاد کی تاریخ مطلق آخری ایام ہے، جب کہ یہی واقعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بھی بیان فرمایا ہے۔ اس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے ایک ماہ پہلے بیان فرمائی تھی۔ [4]

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح (١/ ٢١٠)

[2] فتح الباري أيضاً (١/ ٢١٠)

[3] صحيح البخاري (١/ ٢١١، ٢/ ٧٤)

[4] فتح الباري أيضاً.

نمازِ عشا کے بعد ایسی علمی گفتگو کا ذکر بکثرت احادیث میں آیا ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وعظ و نصیحت اور درس و تدریس ہو تو یہ بلا کراہت جائز اور ثابت ہے۔ چنانچہ وعظ و درس کے جواز پر دلالت کرنے والی ایک حدیث امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب کے مواقیت الصلاۃ کے "باب السمر في الفقه والخير بعد العشاء" میں لائے ہیں، جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ ایک دفعہ آدھی رات سے زیادہ گزر گئی تو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہمیں نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«أَلَا إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا ثُمَّ رَقَدُوْا وَإِنَّكُمْ لَمْ تَزَالُوْا فِيْ صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاةَ»[1]

''لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے اور وہ سو بھی چکے ہیں اور تم اس وقت تک نماز ہی میں ہو، جب تک کہ اس کے انتظار میں ہو۔''

اس حدیث سے اور خصوصاً اس میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ ارشاد فرمانے سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ بات اخذ کی ہے کہ اگر علم و فقہ اور خیر و بر کی بات ہو تو وہ نمازِ عشا کے بعد بھی جائز ہے، اس مفہوم پر دلالت کرنے والی متعدد احادیث ہیں۔[2]

جبکہ مہمان اور اہلِ خانہ سے گفتگو کے جواز کے بارے میں بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے مستقل ایک باب قائم کیا ہے: ''بَابُ السَّمَرِ مَعَ الضَّيْفِ وَالْأَهْلِ'' اور اس باب کے تحت وہ حدیث لائے ہیں، جس میں حضرت عبدالرحمٰن بن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اصحابِ صفہ فقرا لوگ تھے (یعنی ان کے پاس کھانے پینے کی اشیا کی قلت تھی، لہٰذا اپنے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر) نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ، وَإِنْ أَرْبَعٌ فَخَامِسٌ أَوْ سَادِسٌ»

[1] صحیح البخاری مع الفتح (٢/ ٧٣)

[2] دیکھیں: فتح الباري (١/ ٢١٣)

’’جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو، وہ اپنے ساتھ ایک تیسرے کو بھی لے جائے،جس کے پاس چار اشخاص کا کھانا ہو، وہ پانچواں یا چھٹے کو بھی لے جائے۔‘‘

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ تین آدمیوں کو لائے اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ دس افراد کو لے گئے۔ ہمارے گھر میں ایک خود میں، میرے والد اور والدہ یا انھوں نے بیوی کہا۔ میرے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں کام کرنے والا خادم بھی تھا۔ اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھا لیا اور نمازِ عشا تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ہی رہے۔ نمازِ عشا کے بعد وہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر ہی پہلے گئے۔

پھر رات کا ایک حصہ گزرنے کے بعد وہ اپنے گھر آئے تو ان کی اہلیہ نے پوچھا کہ آپ کو مہمانوں کی مہمان نوازی کرنے سے کس نے روک لیا تھا؟ انھوں نے پوچھا:

’’کیا تم لوگوں نے ابھی تک مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا؟ ان کی اہلیہ نے بتایا کہ انھوں نے آپ کے شامل ہوئے بغیر کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا، ہم نے تو کھانا پیش کیا تھا، مگر وہ نہ مانے۔‘‘

یہ حدیث طویل ہے، جس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے انھیں کھانا کھلایا۔ وہ کھاتے جاتے، مگر کھانا کم ہونے کے بجائے بڑھتا گیا، حتیٰ کہ ان مہمانوں کے کھا لینے کے باوجود کھانا ان کی بیوی کے بقول تیار کیے گئے کھانے سے تین گنا زیادہ ہوگیا۔ وہ کھانے والا برتن نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بھیج دیا گیا، صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے وہ فوج کے بارہ دستوں کو بھیجا گیا تو ان سب نے بھی وہ کھانا کھایا۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ ”كتاب مواقيت الصلاة“ کے علاوہ ”باب علامات النبوة“ یعنی کتاب المناقب میں بھی لائے ہیں، کیوں کہ اس میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامت و معجزہ بھی ہے، اگرچہ اس میں حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت و کرامت بھی ہے۔ حافظ عسقلانی رحمہ اللہ، اسی طرح علامہ عینی صاحبِ ”عمدة القاري شرح صحيح

البخاري" کے بقول امام بخاری رحمہ اللہ نے نمازِ عشا کے بعد مہمان اور اہلِ خانہ سے گفتگو کے جواز کا جواب قائم کیا تو ان کا استدلال حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ کے اپنی اہلیہ اور پھر مہمانوں سے بات کرنے کے الفاظ سے ہے۔ یاد رہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری کے متعدد مقامات کے علاوہ صحیح مسلم، کتاب الاطعمۃ اور سنن ابی داود میں بھی مروی ہے۔[1]

خلاصہ کلام:

ان احادیث سے حاصل شدہ تفصیلات کا خلاصہ یہ ہوا کہ نمازِ عشا کے بعد معمول کے ذکر اذکار کر کے سو جانا چاہیے۔ بلاوجہ داستان گوئی، قصہ خوانی، فحش کلامی اور لا یعنی گفتگو میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں اگر کوئی قرآن وسنت پر مشتمل درس و تدریس، وعظ و ارشاد، پند و نصیحت ہو، مہمان آجائے اور اس کی خدمت مطلوب ہو، مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں مشورہ مقصود ہو یا اہلِ خانہ اور بچوں سے ضروری امور پر گفتگو کرنا ہو تو پھر جائز ہے۔

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢/ ٧٥، ٧٦) و مع عمدة القاري (٥/ ٩٨ دار الفكر، بيروت) و (٨/ ١٦/ ١٢٤)

نماز میں پابندیِ وقت
قرآنِ کریم کی روشنی میں

نمازِ پنج گانہ کے اوقات سے تعلق رکھنے والی تفصیلات، تمام نمازوں کے اوقات کی تعیین اور اوّل وقت میں نمازوں کو ادا کرنے کی فضیلت پر دلالت کرنے والی احادیث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ نمازوں کو ادا کرنے میں پابندیِ وقت بھی ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ جب چاہا نماز پڑھ لی، بلکہ اصل یہ ہے کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو اسے ادا کرنے میں تاخیر اور سُستی نہیں ہونی چاہیے۔ یہاں تک کہ دورانِ جنگ بھی نماز کا وقت ہو جائے تو اگرچہ اس کا طریقۂ ادا بدل جاتا ہے، مگر بلا وجہ اس کے وقت میں تقدیم و تاخیر کی اس حالت میں بھی اجازت نہیں دی گئی، یہاں تک کہ سورۃ البقرۃ (آیت: ۲۳۹) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ [البقرۃ: ۲۳۹]

''اگر (دشمن کا) خوف ہو تو پیدل چلتے چلتے یا سواری پر بیٹھے ہی نماز ادا کر لو۔ ہاں جب تم (دشمن کے خوف سے) امن پا لو تو پھر اللہ تعالیٰ کو اسی طرح یاد کرو، جیسا کہ اس نے تمھیں سکھلایا ہے، جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔''

سورۃ النساء (آیت: ۱۰۳) میں صلاۃ الخوف کا طریقہ ذکر کرنے کے بعد ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾

''اور جب تم (دشمن کے خوف سے) مطمئن ہو جاؤ تو پھر (مقررہ اوقات

ہی میں) نماز قائم کرو، کیوں کہ اہلِ ایمان پر مقررہ اوقات میں نماز کا ادا
کرنا فرض ہے۔''

سورۃ البقرۃ میں طلاق وغیرہ کے مسائل کے تذکرے کے درمیان (آیت: ۲۳۸) میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴾

''سب نمازوں کو بر وقت ادا کرنے پر محافظت کرو اور خاص طور پر درمیانی نماز
کی اور دورانِ نماز اللہ کے سامنے ادب و عاجزی سے کھڑے ہوا کرو۔''

مسائلِ طلاق کے درمیان نماز کی پابندی و اہتمام کا ذکر کرنا، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ معاشی، معاشرتی یا عائلی، کسی بھی قسم کی مصروفیات میں نمازوں کے اوقات کا پورا پورا خیال رکھو اور اس میں تقدیم و تاخیر نہ کرو۔

نمازِ وسطیٰ:

مذکورہ آیت میں ﴿ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ﴾ یعنی درمیانی نماز سے کون سی نماز مراد ہے؟ خصوصی اہمیت کی مالک اس نماز کی تعیین میں اہلِ علم کے متعدد اقوال ہیں:

① اس سے مراد نمازِ فجر ہے۔
② کچھ کا کہنا ہے کہ یہ نمازِ ظہر ہے۔
③ ایک قول کے مطابق اس سے مراد نمازِ مغرب ہے۔
④ کسی نے نمازِ عشا کہا ہے۔
⑤ بعض نے کہا ہے کہ پانچوں میں سے کوئی ایک ہے، مگر اسے لیلۃ القدر کی طرح مبہم رکھا گیا ہے۔
⑥ کسی نے نمازِ باجماعت کو وسطیٰ قرار دیا ہے۔
⑦ نمازِ جمعہ، نمازِ خوف، عید الفطر، عید الاضحیٰ، نمازِ وتر اور نمازِ ضحیٰ یا چاشت کو بھی نمازِ وسطیٰ کہا گیا ہے۔

⑧ یہ بھی منقول ہے کہ پانچوں نمازوں کے مجموعے کو نمازِ وسطیٰ کہا گیا ہے۔
⑨ نمازِ عصر نمازِ وسطیٰ ہے اور یہی از روئے دلیل صحیح تر ہے۔

جبکہ ان میں سے اکثر اقوال بلا دلیل ہیں۔ خصوصاً نمازِ جمعہ، نمازِ خوف، نمازِ عید الفطر وعید الاضحیٰ، نمازِ وتر اور نمازِ ضحیٰ کو ﴿ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ﴾ کہنے والوں کے پاس قرآن و سُنّت کی واضح مرفوع اور صحیح دلیل کوئی نہیں ہے۔

امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو روایت بیان کی ہے کہ نمازِ پنج گانہ کے مجموعے کا نام نمازِ وسطیٰ ہے، اس روایت کو امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے محلِ نظر قرار دیا اور لکھا ہے کہ امامِ ماوراء النہر علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ پر تعجب ہے کہ انھوں نے کثیر الاطلاع اور قوی الحافظہ ہونے کے باوجود نمازِ پنج گانہ کے مجموعے والے اسی قول کو اختیار کیا ہے، حالانکہ قرآن و سُنّت اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی اس کی دلیل نہیں ہے۔ نیز یہ جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور حضرت سعید بن مسیّب، قاضی شریح، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام حضرت نافع، ربیع بن خثیم، امام قرطبی اور امام الحرمین جوینی رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ لیلۃ القدر کی طرح نمازِ وسطیٰ کو بھی مبہم رکھا گیا ہے۔[1]

یہ قول بھی اس بنا پر صحیح نہیں کہ نمازِ وسطیٰ کی تعیین باقاعدہ صحیح احادیث میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، جیسا کہ ہم ان احادیث کو بھی ذکر کرنے والے ہیں۔

معروف تفسیر واحدی کے مولف نے نمازِ عشا کے نمازِ وسطیٰ ہونے کے قول کو اختیار کیا ہے اور امام ابن جریر طبری نے حضرت قبیصہ بن ذؤیب رحمہ اللہ سے نمازِ مغرب کے بارے میں نمازِ وسطیٰ ہونے کا قول نقل کیا ہے، لیکن قبیصہ رحمہ اللہ والی ابن جریر رحمہ اللہ کی روایت غیر ثابت ہے۔[2] یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے، مگر اس کی سند بھی

[1] تفسير ابن جرير الطبري (٥/ ٢٢٠)
[2] تحقيق تفسير ابن جرير (٥/ ٢١٤_ ٢١٥)

امام ابن کثیر کے بقول محلِ نظر ہے۔[1]

محض یہ کہہ دینا کہ مغرب سے پہلے ظہر وعصر ہیں اور بعد میں عشا و فجر ہیں، لہٰذا یہ وسطیٰ ہوئی، یہ بات نصوص کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

علمائے تفسیر کی تصریحات:

اب نمازِ وسطیٰ کے بارے میں صرف تین قول باقی ہیں اور وہ ہیں: فجر، ظہر اور عصر۔ تو آیئے ان میں سے راجح تر کی تعیین کے لیے احادیثِ رسول ﷺ اور اقوالِ شارحین سے پہلے علمائے تفسیر کی تصریحات ملاحظہ کریں:

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ:

سورۃ البقرہ کی اس مذکورہ آیت (۲۳۸) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام المفسرین ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر (۵/ ۱۶۷ تا ۲۲۷) میں مختلف اقوال اور ان کے دلائل ذکر کیے ہیں۔ ۶۰ صفحات میں دی گئی تفصیلات کا خلاصہ صفحہ (۲۲۱) پر ذکر کیا اور لکھا ہے:

"وَالصَّوَابُ مِنَ الْقَوْلِ عَنْ ذٰلِكَ مَا تَظَاهَرَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الَّتِي ذَكَرْنَاهَا قَبْلُ، وَهُوَ أَنَّهَا الْعَصْرُ"[2]

''ہماری ذکر کردہ احادیثِ رسول ﷺ کے مجموعے سے ثابت ہوتا ہے کہ مختلف اقوال میں سے صحیح تر قول یہ ہے کہ نمازِ وسطیٰ سے مراد نمازِ عصر ہے۔''

امام قرطبی رحمہ اللہ:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے مذکورہ آیت کے تحت لکھا ہے کہ نمازِ وسطیٰ کی تعیین کے سلسلے میں اہلِ علم کے دس اقوال ہیں، پھر کچھ تفصیل و دلائل بھی ذکر کیے ہیں، جب کہ نمازِ عصر والے

---

[1] تفسير ابن كثير (١/ ٢٩٠۔ ٢٩٤) و نيل الأوطار (١/ ١/ ٣١١) وحسّنه في فتح القدير ولكنه موقوف بتحقيق ابن جرير (٥/ ٢١٤، ٢١٥، ٢٢٠)

[2] تفسير ابن جرير طبري (٥/ ٢٢١) طبع دار المعارف مصر بتحقيق علامه أحمد شاكر.

قول کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ حضرت علی، ابن عباس، ابن عمر، ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی اختیار ہے۔ امام شافعی اور اکثر علمائے حدیث نے بھی یہی کہا ہے۔ مالکی علما میں سے ابن حبیب، ابن العربی اور ابن عطیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

ابن عطیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جمہور اہلِ علم کا یہی قول ہے۔ آگے صحیح مسلم، سنن ترمذی اور دیگر کتب کے بعض دلائل ذکر کیے اور بعض کی طرف اشارہ کیا ہے، جس سے امام قرطبی کا دلی رجحان بادیِ النظر میں یہی نظر آتا ہے کہ وہ بھی کسی حد تک نمازِ عصر ہی کے نمازِ وسطیٰ ہونے کے قائل ہیں، لیکن انھوں نے صحیح تر قول اسے قرار دیا ہے کہ وہ نماز غیر معیّن اور مبہم ہے، کیوں کہ اقوال کے دلائل متعارض ہیں اور ترجیح کی کوئی واضح صورت بھی نہیں۔[1]

امام مسلم کا اختیار بھی یہی بتایا ہے اور صحیح مسلم، مسند عبد بن حمید، ابو داود فی الناسخ، تفسیر ابن جریر، سنن بیہقی، ابن حزم، مستدرک حاکم اور معانی الآثار طحاوی کی وہ حدیث بطورِ دلیل ذکر کی ہے، جس میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْعَصْرِ ﴾

''نمازوں کی محافظت کرو، خصوصاً نمازِ عصر کی۔''

جب تک اللہ نے چاہا، ہم اس آیت کی اسی طرح تلاوت کرتے رہے، پھر یہ آیت اللہ نے منسوخ کر دی اور یہ آیت اتاری:

﴿ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ﴾ [البقرة: ٢٣٨]

''نمازوں کی محافظت کرو، خصوصاً نمازِ وسطیٰ کی۔''

تب ایک آدمی نے کہا: تو پھر وہ نمازِ عصر ہوئی؟ اس پر حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ

[1] تفسير القرطبي (٢/ ٣/ ٢٠٩۔ ٢١٣) طبع مصر.

نے فرمایا:

''میں نے تمھیں بتایا ہے کہ پہلے یہ آیت کیسے نازل ہوئی اور پھر اللہ نے اسے کیسے منسوخ کیا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔''[1]

امام قرطبی رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''اس سے لازم آتا ہے کہ اس نماز کی پہلے تعیین تو کی گئی، مگر پھر وہ تعیین منسوخ کر دی گئی اور اسے مبہم چھوڑ دیا گیا، لہٰذا تعیین نہ رہی۔'' وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.[2]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ:

علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر ''روح المعاني'' (١/ ٢/ ١٥٦، ١٥٧) میں یہ بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ صحیح مسلم کی یومِ احزاب کے واقعے سے تعلّق رکھنے والی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے اکثر اہلِ علم نے صحیح اسے ہی قرار دیا ہے کہ وہ نمازِ عصر ہے۔ آگے چل کر انھوں نے بعض محقّقین کے حوالے سے اس کے نمازِ عصر ہونے پر متعدد احتمالات وارد کیے ہیں اور چند احادیث سے یہ واضح کیا ہے کہ وہ نمازِ ظہر ہے اور لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف بھی یہ قول منسوب کیا گیا ہے۔

علامہ محمد رشید رضا رحمہ اللہ:

علامہ محمد رشید رضا مصری نے اپنی ''تفسير المنار'' (٢/ ٤٣٧، ٤٣٨) میں یہ بحث کی ہے اور احادیث کی رو سے سب سے صحیح تر قول نمازِ عصر والے قول کو قرار دیا ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ:

معروف مجتہد امام شوکانی رحمہ اللہ نے ''منتقی الأخبار'' کی شرح ''نيل الأوطار''

---

[1] تفسير القرطبي (٢/ ٣/ ٣١٢) و تحقيق تفسير ابن جرير (٥/ ١٩٣) و فتح القدير للشوكاني (١/ ٢٥٧)

[2] تفسير القرطبي (٢/ ٣/ ٢١٢)

میں بڑی تفصیل ذکر کی ہے اور اس سلسلے کے سترہ اقوال نقل کیے ہیں، پھر ان کے دلائل وغیرہ کے تذکرے کے بعد سب سے راجح تر قول نمازِ عصر والی رائے ہی کو قرار دیا ہے۔[1]

انھی سترہ اقوال کی طرف اشارہ کر کے اپنی تفسیر "فتح القدير" میں بھی مذکورہ آیت کے تحت لکھا ہے:

"أَرْجَحَ الْأَقْوَالِ وَأَصَحَّهَا مَا ذَهَبَ اِلَيْهِ الْجَمْهُوْرُ مِنْ أَنَّهَا الْعَصْرُ لِمَا ثَبَتَ عِنْدَ الْبُخَارِيِّ وَمُسْلِمٍ وَأَهْلِ السُّنَنِ وَغَيْرِهِمْ"[2]

"صحیح بخاری و مسلم اور سُنن وغیرہ کتبِ حدیث میں ثابت شدہ احادیث کے پیشِ نظر صحیح تر قول جمہور ہی کا ہے، جو کہتے ہیں کہ نمازِ وسطیٰ نمازِ عصر ہے۔"

امام ابن کثیر رحمہ اللہ:

انتہائی مشہور و معروف مفسر امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کافی تفصیل ذکر کی ہے۔ دیگر اقوال سے قطع نظر نمازِ فجر و ظہر اور عصر کے نمازِ وسطیٰ ہونے والے اقوال کے دلائل بھی ذکر کیے ہیں اور سب سے زیادہ جگہ نمازِ عصر سے متعلق دلائل کو دی اور لکھا ہے کہ امام ترمذی و بغوی رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد والے علما نے نمازِ عصر ہی کو نمازِ وسطیٰ کہا ہے۔ قاضی ماوردی کے بقول جمہور تابعین کا بھی یہی قول ہے اور امام ماوراء النہر علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اکثر محدثینِ کرام نے بھی یہی کہا ہے۔ ابن عطیہ رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ جمہور اہلِ علم کا بھی یہی قول ہے اور حافظ دمیاطی کی کتاب "كشف الغطاء في تبيين الصلاة الوسطىٰ" سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ نمازِ عصر ہے۔ صحابہ کرام میں سے حضرت عمر فاروق، علی، ابن مسعود، ابو ایوب، عبداللہ بن عمرو، سمرہ بن جندب، ابو ہریرہ، ابو سعید خدری، ام المومنین

---

[1] نيل الأوطار (١/ ١/ ٣١١۔ ٣١٨)

[2] تفسير فتح القدير (١/ ٢٥٦) دار الفكر بيروت.

حضرت حفصہ، ام حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہن سے بھی نمازِ عصر ہی کی روایات وارد ہوئی ہیں، جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر، ابن عباس اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے (اگرچہ بعض دیگر اقوال بھی مروی ہیں لیکن) صحیح تر قول کے مطابق ان کے نزدیک بھی نمازِ عصر ہی ہے۔

تابعین میں سے حضرت عبیدہ، ابراہیم نخعی، زر بن حبیش، سعید بن جبیر، ابن سیرین، حسن بصری، قتادہ، ضحاک، کلبی، مقاتل، عبید بن مریم اور دیگر حضرات رحمہم اللہ سے یہی نماز مروی ہے، جب کہ ائمہ و فقہائے مذاہبِ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے اور قاضی ماوردی کے بقول امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی اور ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے دو ارشد تلامذہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ سے (اگرچہ دوسرے اقوال بھی مروی ہیں، لیکن) ان کے صحیح تر قول کے مطابق ان کے نزدیک بھی عصر ہی ہے اور حبیب مالکی رحمہ اللہ کا اختیار بھی یہی ہے۔[1]

نمازِ فجر کہنے والوں کے دلائل اور ان کا جائزہ:

نمازِ فجر کو نمازِ وسطیٰ کہنے والوں نے جن روایات سے استدلال کیا ہے، ان میں سے کسی ایک بھی مرفوع، صریح اور صحیح روایت سے نمازِ فجر کے نمازِ وسطیٰ ہونے کا پتا نہیں چلتا، بلکہ وہ جتنی بھی روایات ہیں یا تو صحابہ رضی اللہ عنہم پر موقوف ہیں یا تابعین رحمہم اللہ کے آثار ہیں۔

امام طبری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بارہ روایات وہ ذکر کی ہیں، جو صحابہ رضی اللہ عنہم پر موقوف ہیں، ان میں سے نو (۹) تو صرف ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں۔ ایک روایت ابو عالیہ رحمہ اللہ نے صحابی کا نام لیے بغیر بیان کی ہے اور ایک عام صحابہ سے نام ذکر کیے بغیر نقل کی ہے۔ ایک حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان میں سے کسی روایت میں بھی یہ مذکور نہیں کہ یہ بات نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔[2]

---

[1] تفسیر ابن کثیر (۱/ ۲۹۱)

[2] تفسیر الطبري (۵/ ۲۱٤۔ ۲۱۹) و تفسیر ابن کثیر (۱/ ۲۹۰)

ہاں ایک تیرھویں روایت سنن نسائی میں مرفوع بھی ہے، لیکن علامہ احمد شاکر کی وضاحت کے مطابق اس روایت کی سند کے صحیح ہونے اور اس کے مرفوع ہونے کے باوجود اس میں نمازِ وسطیٰ کے تعلق سے آخر میں جو تفسیری الفاظ ہیں، وہ پھر موقوف ہیں، یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ ہیں، نہ کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عمر و انس رضی اللہ عنہم کی طرف بھی ایسے اقوال منسوب ہیں۔[1]

فتح القدیر میں امام شوکانی رحمہ اللہ کے بقول (حضرت ابن عباس، ابن عمر اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ) حضرت علی اور ابو امامہ رضی اللہ عنہما سے بھی موقوف آثار ہی ملتے ہیں۔[2]

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے تابعین میں سے امام عطاء، عکرمہ، عبداللہ بن شداد اور ربیع رحمہم اللہ سے ایک ایک اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے دو (۲) قول نقل کیے ہیں، جن میں اِن سب نے نمازِ فجر کو نمازِ وسطیٰ کہا ہے۔[3] جب کہ ان آثارِ صحابہ و تابعین کے دلیل کا کام دینے یا دلیل نہ بن سکنے کے سلسلے میں امام شوکانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے اپنے اقوال پر مبنی ہیں اور ان میں سے کوئی ایک اثر بھی ایسا نہیں ہے، جس میں اس بات کی نسبت نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو۔ ایسے اقوال دلیل و حجت نہیں بن سکتے، خصوصاً جب کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات ثابت ہو، جس پر تواتر کا دعویٰ کرنا بھی ممکن ہو۔ ایسی ثابت شدہ بات کے مقابلے میں آنے والے اقوال تو قطعاً دلیل نہیں ہو سکتے اور کسی ایسے معاملے میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال دلیل نہیں بن سکتے تو تابعین اور تبع تابعین سے مروی اقوال بالاولیٰ دلیل نہیں ہوں گے۔[4]

---

1. تحقيق تفسير ابن جرير طبري (٥/ ٢١٥) تفسير ابن كثير (١/ ٢٩٠)
2. فتح القدير (١/ ٢٥٦)
3. سنن الطبري (٥/ ٢١٩)
4. فتح القدير (١/ ٢٥٦)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نمازِ فجر کو نمازِ وسطٰی کہنے والوں کے دلائل میں کوئی جان نہیں ہے۔

نمازِ ظہر کہنے والوں کے دلائل اور ان کا جائزہ:

اب آیئے دیکھیں کہ نمازِ ظہر کو وسطٰی کہنے والوں کے پاس کیا دلائل ہیں اور ان کی حجت کی کیا حیثیت ہے؟ چنانچہ اس کے دلائل ذکر کرتے ہوئے امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے تیرہ روایات ذکر کی ہیں، جن میں سے آٹھ تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہیں اور انہی سے ایک روایت ایسی بھی مروی ہے، جسے سند کے اعتبار سے تو ضعیف قرار دیا گیا ہے، لیکن اس کے مرفوع ہونے کو امام شوکانی رحمہ اللہ نے غیر صحیح اور علامہ احمد شاکر نے وہم قرار دیا ہے۔ یعنی وہ الفاظ جو نمازِ وسطٰی کی تعیین سے تعلق رکھتے ہیں، نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں، بلکہ وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہی کے ہیں۔[1]

جبکہ چار روایات حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں، جن میں سے ایک میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا ارشاد بھی شامل ہے، جبکہ انہی دونوں حضرات رضی اللہ عنہما سے دوسری صحیح اسناد والی روایات میں نمازِ ظہر کے بجائے نمازِ عصر بھی مروی ہے، جیسا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے اور امام طبری رحمہ اللہ نے وہ روایات بھی اسانید کے ساتھ اپنی تفسیر میں درج کی ہیں۔[2]

ایسے ہی بعض دیگر آثار ہیں، لیکن صحیح بخاری و مسلم اور سنن وغیرہ کی ان صحیح احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتے، جو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہیں، یعنی خود نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ وسطٰی کی تعیین نمازِ عصر سے فرمائی ہے، جیسا کہ نمازِ فجر کہنے والوں کے دلائل کے جائزے کے ضمن میں بھی ذکر کیا جاچکا ہے۔ ایسے ہی امہات المومنین حضرت حفصہ، ام سلمہ اور

[1] تحقيق تفسير الطبري (٥/ ٢٠٠۔ ٢٠١) فتح القدير (١/ ٢٥٦)

[2] تفسير ابن كثير (١/ ٢٩١) طبرى و تحقيقه (٥/ ١٧٢۔ ١٧٣، ٥/ ١٩٨۔ ٢٠٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایات ملتی ہیں، جن سے نمازِ ظہر پر استدلال کیا جاتا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں یہ وضاحت نہیں ہے، بلکہ ان سے اس کے برعکس وہ روایات بھی ملتی ہیں، جن میں نمازِ عصر کے نمازِ وسطیٰ ہونے کی صراحت موجود ہے، لہٰذا ظہر والی روایات سے استدلال کمزور ہے۔[1]

نمازِ عصر کہنے والوں کے دلائل:

اکثر صحابہ و تابعین، ائمہ وفقہا اور محدثینِ کرام کے نزدیک راجح تر قول یہ ہے کہ نمازِ وسطیٰ سے مراد نمازِ عصر ہے، اس بات کے دلائل میں صرف امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں دو چار نہیں، بلکہ چھیاسٹھ احادیثِ رسول ﷺ اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور اقوالِ تابعین روایت کیے ہیں اور علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ نے درست ہی کہا ہے کہ نمازِ وسطیٰ کی تفسیر میں امام طبری نے ایک سو تیرہ (۱۱۳) احادیث و آثار روایت کیے ہیں اور اس موضوع پر ایسا استیعاب تفسیر طبری کے سوا کسی دوسری کتابِ تفسیر و حدیث میں نہیں، انھوں نے اس کا حق ادا کر دیا ہے اور حسبِ عادت انھوں نے دلیل کے اعتبار سے قوی ترین رائے کو راجح قرار دیتے وقت نمازِ عصر ہی کو اختیار کیا ہے اور اسی کو ثابت کرنے کے لیے چھیاسٹھ (۶۶) احادیث و آثار بیان کیے ہیں۔ ان سب کا یکے بعد دیگر ذکر تو باعثِ طوالت ہوگا۔ تشنگانِ علم مذکورہ تفسیر کی جلد پنجم (ص: ۱۶۸) سے لے کر (ص: ۱۹۸) تک یعنی اکتیس (۳۱) صفحات کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ہم یہاں تفسیر طبری اور دیگر کتبِ حدیث سے چند احادیثِ رسول ﷺ، آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور اقوالِ تابعین ذکر کرتے ہیں۔

حدیثِ اوّل:

ان میں سے پہلی حدیث صحیح بخاری و مسلم، سنن ابو داود اور مسند احمد میں حضرت

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: تفسیر الطبري (٥/ ٢٠٥۔ ٢١٤) فتح القدير (١/ ٢٥٦۔ ٢٥٧) نيل الأوطار (١/ ١/ ٣١٢)

علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ احزاب کے دن مشرکین کے بارے میں نبیِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« مَلَأَ اللّٰهُ قُبُوْرَهُمْ وَ بُيُوْتَهُمْ نَاراً كَمَا شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ »

''اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے، جیسے اُنھوں نے ہمیں نمازِ وسطیٰ سے روکے رکھا، یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔''

جب کہ صحیح مسلم، سنن ابو داود اور مسند احمد کے الفاظ یوں ہیں:

« شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى، صَلَاةِ الْعَصْرِ »[1]

''اُنھوں نے ہمیں درمیانی نماز، نمازِ عصر سے روکے رکھا۔''

اِن الفاظ میں نمازِ وسطیٰ کی وضاحت و تعیین نمازِ عصر سے کی گئی ہے۔

حدیثِ دوم:

دوسری حدیث سنن ابن ماجہ، بیہقی، مصنّف عبدالرزاق، محلّٰی ابن حزم اور تفسیر طبری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

« كُنَّا نَرَاهَا الصُّبْحَ [أَوِ الْفَجْرَ] حَتّٰى سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ يَوْمَ الْأَحْزَابِ: شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ مَلَأَ اللّٰهُ قُبُوْرَهُمْ وَأَجْوَافَهُمُ النَّارَ »[2]

''ہم نمازِ فجر کو ہی نمازِ وسطیٰ سمجھا کرتے تھے، حتیٰ کہ غزوۂ احزاب کے دن میں نے نبیِ اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا: ''انھوں نے ہمیں نمازِ وسطیٰ نمازِ عصر سے روکے رکھا۔ اللہ ان کے پیٹوں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔''

---

[1] صحيح البخاري (٨/ ١٩٥) صحيح مسلم (٣/ ٥/ ١٢٨) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٩٥) المنتقى مع النيل (١/ ١/ ٣١٠ـ ٣١١)

[2] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٦٨٤) طبري و تحقيقه (٥/ ١٨٤) و صححه أحمد شاكر.

حدیثِ سوم:

اِسی طرح حدیثِ اوّل سے ملتی جلتی ایک حدیث صحیح مسلم، سنن ترمذی و ابن ماجہ، مسند احمد، سنن بیہقی اور طیالسی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں بھی نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر ہی کو نمازِ وسطیٰ قرار دیا ہے۔[1]

یاد رہے کہ غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق کے موقع پر بعض احادیث کی رو سے نمازِ عصر و ظہر اور مغرب و عشا سبھی میں دیر ہوگئی تھی، جبکہ صحیحین کی حدیث میں صرف نمازِ عصر مذکور ہے۔ امام ابن العربی نے کہا ہے کہ دونوں طرح کی احادیث ہی صحیح ہیں اور غزوۂ خندق کا واقعہ کئی دنوں پر محیط تھا، لہٰذا ممکن ہے کہ کسی دِن چار نمازیں اور کسی دن صرف عصر میں تاخیر ہوگئی ہو۔[2]

حدیثِ چہارم:

صحیح مسلم، سنن ترمذی اور دیگر کتبِ حدیث میں ایک چوتھی روایت بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

«صَلَاةُ الْوُسْطٰی صَلَاةُ الْعَصْرِ»[3] ''نمازِ وسطیٰ نمازِ عصر ہے۔''

حدیثِ پنجم:

پانچویں حدیث سنن ترمذی، مسند احمد، سنن بیہقی، تفسیر طبری اور معانی الآثار طحاوی میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] المنتقیٰ (۱/ ۱/ ۲۱٤) طبري و تحقیقه (٥/ ۱۸۲۔ ۱۸۳)

[2] دیکھیں: نیل الأوطار (۱/ ۱/ ۳۱۳۔ ۳۱٤)

[3] صحیح مسلم (۳/ ٥/ ۱۲۸) صحیح سنن الترمذي، رقم الحدیث (۱٥۲) سنن ابن ماجه، رقم الحدیث (٦۸٦) المنتقیٰ أیضاً.

«الصَّلَاةُ الْوُسْطَىٰ صَلَاةُ الْعَصْرِ»[1] ''نمازِ وسطیٰ نمازِ عصر ہے۔''

حدیثِ ششم:

چھٹی حدیث سنن بیہقی اور معجم طبرانی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بھی یہی ہیں:

«الصَّلَاةُ الْوُسْطَىٰ صَلَاةُ الْعَصْرِ»[2] ''نمازِ وسطیٰ نمازِ عصر ہے۔''

آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم:

اس موضوع و مفہوم کی اور بھی کتنی ہی احادیث ہیں، لیکن ہم نے ان میں سے صرف صحیح اسانید والی یہ چھے احادیث ہی ذکر کی ہیں جو مرفوع ہیں، یعنی نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر مشتمل ہیں، جن کی موجودگی میں کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی، تاہم صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے اسی معنیٰ کے بکثرت آثار بھی ملتے ہیں۔

اثرِ اوّل:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتے جلتے الفاظ سے تفسیر طبری، شعب الایمان بیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ اور مسند عبد بن حمید میں مروی ہے، ابو صہباء بکری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ نمازِ وسطیٰ کون سی ہے؟ تو انھوں نے فرمایا:

''هِيَ صَلَاةُ الْعَصْرِ، وَهِيَ الَّتِي فُتِنَ بِهَا ابْنُ دَاوٗدُ''[3]

''وہ نمازِ عصر ہے اور یہی وہ نماز ہے، جس سے (حضرت سلیمان) ابن داود علیہما السلام آزمائے گئے تھے۔''

---

[1] صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (١٥٣) الفتح الرباني (١/ ٢/ ١٦٢) المنتقىٰ (١/ ١/ ٣١٤) تفسير الطبري (٥/ ١٨٠، ١٩٤)

[2] تفسير الطبري و تحقيقه (٥/ ١٨٩) صحيح الجامع، رقم الحديث (٣٨٣٥)

[3] تفسير الطبري و تحقيقه (٥/ ١٧٠) و صححه أحمد شاكر.

اثرِ ثانی:

تفسیر طبری، سنن بیہقی اور محلّٰی ابن حزم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:
"الصَّلَاةُ الْوُسْطٰی صَلَاةُ الْعَصْرِ"[1] "نمازِ وسطیٰ نمازِ عصر ہے۔"

اثرِ ثالث:

اثرِ ثالث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تفسیر طبری، مصنف عبد الرزاق، محلّٰی ابن حزم اور معانی الآثار طحاوی (واللفظ لہ) میں مروی ہے اور اس کے الفاظ بھی من وعن یہی ہیں، جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہیں۔[2]

اثرِ رابع:

اثرِ رابع ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جو تفسیر طبری اور دیگر کتب میں مذکورہ آیت کی تفسیر کے ضمن میں وارد ہوا ہے اور انھوں نے بھی نمازِ وسطیٰ کی تفسیر نمازِ عصر سے کی ہے۔[3]

اثرِ خامس:

اثرِ خامس تفسیر طبری، مصنف ابن ابی شیبہ اور محلّٰی ابن حزم میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور اس کے الفاظ بھی: "الصَّلَاةُ الْوُسْطٰی صَلَاةُ الْعَصْرِ" ہی ہیں۔

ان آثار سے بھی پتا چلا کہ (نمازِ وسطیٰ) نمازِ عصر ہی ہے، نہ کہ کوئی دوسری نماز۔

آثارِ تابعین رحمہم اللہ:

آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح تابعینِ کرام رحمہم اللہ سے بھی بکثرت آثار ملتے ہیں، جن میں

[1] تفسير الطبري و تحقيقه (٥/ ١٧٠) صحيح الجامع، رقم الحديث (٣٨٣٥)
[2] تحقيق تفسير الطبري (٥/ ١٧٠) صحيح الجامع، رقم الحديث (٣٨٣٥)
[3] تحقيق تفسير الطبري (٥/ ١٧٩ ـ ١٨٠)

نمازِ وسطیٰ کی تعیین نمازِ عصر ہی سے کی گئی ہے۔ چنانچہ امام ابراہیم نخعی، حسن بصری، قتادہ، زرّ بن حبیش، ضحاک اور مجاہد رحمہم اللہ کے آثار تفسیر ابن جریر طبری اور اس کی تحقیق میں دیکھے جا سکتے ہیں۔[1]

خلاصۂ کلام:

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ نمازِ وسطیٰ، جس کی محافظت کی قرآنِ کریم میں سخت تاکید کی گئی ہے، وہ نمازِ عصر ہے اور یہی راجح مسلک ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "فتح الباري" (۸/ ۱۹۵۔ ۱۹۸) میں بیس (۲۰) اقوال اور ان کے دلائل کا جائزہ لینے کے بعد نمازِ عصر والے قول کو ترجیح دی ہے۔

---

[1] تحقيق الطبري (۵/ ۱۷۷۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۲)

نماز میں پابندیِ وقت
حدیث شریف کی روشنی میں

نمازوں کو ادا کرنے میں پابندیِ وقت کی بات شروع ہوئی اور قرآنِ کریم کی بعض آیات سے اس موضوع کا آغاز کیا گیا تھا۔ سورۃ البقرہ کی آیت (۲۳۸) میں نمازوں کو ادا کرنے میں پابندیِ وقت کی تاکید کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نمازِ وسطیٰ کی محافظت کا بطورِ خاص حکم فرمایا ہے اور نمازِ وسطیٰ کی تعیین بھی ہم نے احادیث و آثار کی روشنی میں قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کر دی ہے کہ وہ نمازِ عصر ہے۔

ترکِ عصر پر وعید:

نمازِ عصر اتنی قدر و منزلت کی حامل ہے کہ اس کی اہمیت صرف اسی بات سے معلوم ہو جاتی ہے کہ صحیح بخاری و مسلم اور سنن اربعہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

«اَلَّذِيْ تَفُوْتُهٗ صَلَاةُ الْعَصْرِ كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلُهٗ وَمَالُهٗ»[1]

''جس کی نمازِ عصر فوت ہوگئی، وہ ایسے ہے جیسے کسی کے اہل و مال ہی ہلاک و برباد ہو گئے ہوں۔''

اس حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ کی تبویب ''باب إثم من فاتته العصر'' اور

[1] صحيح البخاري (٢/ ٣٠) صحيح مسلم (٣/ ٥/ ١٢٥) صحيح سنن أبي داود (٤٠٠) صحيح سنن الترمذي (١٤٧) صحيح سنن النسائي (٤٦٤) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٦٨٥) صحيح ابن خزيمة (١/ ١٧٣) صحيح الجامع الصغير (٣/ ٥/ ١١٣)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے فوت ہو جانے سے مراد اس کا بالکلیہ ترک کرنا نہیں، بلکہ اس کے جواز کے وقت سے اس کو ادا کرنے میں تاخیر کرنا مراد ہے۔

اسی طرح صحیح بخاری، سنن نسائی و ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ اور مسند احمد میں حضرت ابو ملیح رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک غزوے کے سلسلے میں ہم حضرت ابو بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے، جبکہ اس دن آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے تو حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«بَكِّرُوا صَلَاةَ الْعَصْرِ لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ»[1]

''نمازِ عصر ادا کرنے میں جلدی کرو، کیوں کہ نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس نے نمازِ عصر ترک کر دی، اس کے تمام اعمال برباد ہو گئے۔''

یہاں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اس مقام پر بھی ترک سے مراد بالکلیہ ترک نہیں، بلکہ نماز کو اہمیت نہ دیتے ہوئے اس کے وقتِ جواز سے اسے نکال دینا مراد ہے، جیسا کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے نمازِ عصر کو جلدی ادا کرنے کے حکم سے پتا چلتا ہے۔ مطلق ترک کر دینا یا انکار کر دینا یا انکار تو نہ کرنا، مگر اس کی پروا نہ کرتے ہوئے اس کو ترک کر دینا، جیسے اقوال بھی ملتے ہیں، لیکن ان سب اقوال سے اولیٰ مفہوم وہی ہے، جو اس ارشادِ نبوی ﷺ کے راوی صحابی رضی اللہ عنہ نے بتایا ہے اور تمام اعمال کا برباد ہو جانا، وعیدِ شدید اور سخت زجر و توبیخ ہے۔

حافظ عسقلانی رحمہ اللہ کے نزدیک تمام اعمال کی بربادی کے ظاہری معنیٰ کے بجائے اقرب تاویل یہ ہے کہ اس سے مراد زجرِ شدید ہے۔[2]

محافظتِ عصر و فجر:

بعض احادیثِ رسول ﷺ ایسی ہیں کہ جن میں نمازِ عصر کے ساتھ ہی نمازِ فجر ادا

---

[1] صحيح البخاري (٢/ ٣١) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٤٦٠) سنن ابن ماجه (٦٩٤) صحيح ابن خزيمة (١/ ١٧٣)

[2] فتح الباري (٢/ ٣٢۔ ٣٣)

کرنے پر محافظت اور ان دونوں نمازوں کی فضیلت ذکر کی گئی ہے، مثلاً صحیح بخاری و مسلم کی ایک متفق علیہ حدیث میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ»[1]

''جس نے دو ٹھنڈی نمازیں (فجر و عصر) پابندی سے ادا کیں، وہ جنت میں داخل ہوگیا۔''

صحیح مسلم، سنن ابی داود، نسائی، مسندِ احمد اور صحیح ابن خزیمہ میں ابو زہیرہ عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا:

«لَنْ يَّلِجَ النَّارَ أَحَدٌ صَلّٰى قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا. يَعْنِي: الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ»[2]

''وہ شخص ہرگز جہنم میں داخل نہیں ہوگا، جس نے طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے والی نمازیں (فجر وعصر) پابندی سے ادا کیں۔''

صحیح مسلم، سنن ترمذی، مسندِ احمد اور معجم طبرانی میں حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِيْ ذِمَّةِ اللّٰهِ فَلَا يَطْلُبَنَّكُمُ اللّٰهُ مِنْ ذِمَّتِهٖ بِشَيْءٍ فَإِنَّهٗ مَنْ يَّطْلُبْهُ مِنْ ذِمَّتِهٖ بِشَيْءٍ يُدْرِكْهُ، ثُمَّ يَكُبُّهٗ عَلٰى وَجْهِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ»[3]

---

[1] صحيح البخاري (٢/ ٥٢) و صحيح مسلم (٣/ ٥/ ١٣٥) صحيح الجامع (٣/ ٥/ ٣١١)

[2] صحيح مسلم (٣/ ٥/ ١٣٥) صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٤١٢) صحيح سنن النسائي (٤٥٧) صحيح ابن خزيمة (١/ ١٦٤) صحيح الجامع (٣/ ٥/ ٥٤)

[3] صحيح مسلم (٥/ ١٥٨) صحيح سنن الترمذي (١٨٤) صحيح الجامع (٥/ ٣١٢) و المشكاة مع المرعاة (٢/ ٦٧)

''جس نے نمازِ فجر ادا کی، وہ اللہ کے ذمے میں آ گیا۔ اللہ تمھیں اپنے ذمے کو ترک کرنے کے لیے کسی معاملے میں مواخذہ نہ کرے، ورنہ جسے اس نے اپنے ترکِ ذمہ کے لیے طلب کر لیا تو وہ اسے پکڑے گا اور اس شخص کو منہ کے بَل جہنم میں پھینک دے گا۔''

جب کہ صحیحین وسنن اربعہ اور مسند احمد میں حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

« كُنَّا عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَنَظَرَ اِلَی الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ: اِنَّكُم سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ، لَا تُضَامُوْنَ فِي رُؤْيَتِهٖ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَلَّا تُغْلَبُوْا عَلٰى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا »[1]

''ہم نبیِ اکرم ﷺ کے پاس موجود تھے، آپ ﷺ نے چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''تم اپنے پروردگار کو بھی اسی طرح دیکھو گے، جس طرح آج اس چاند کو دیکھ رہے ہو، تمھیں اسے دیکھنے میں کمی کرنے والی کوئی چیز حائل نہیں ہوگی، (لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ) اگر ہو سکے تو طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے والی دو نمازوں (فجر و عصر) کو ادا کرنے سے روکنے میں تم پر کوئی چیز غالب نہ آنے پائے۔''

پھر آپ ﷺ نے سورت قٓ کی اس آیت (۳۹) کی تلاوت کی، جس میں ارشادِ الٰہی ہے:

---

[1] صحيح البخاري (٢/ ٣٣) صحيح مسلم (٥/ ١٣٤) صحيح سنن أبي داود (٣٩٥٥) صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٠٦٧) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٧٧) صحيح الجامع، رقم الحديث (٢٣٠٦)

﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴾

''اورطلوعِ آفتاب سے پہلے اوراس کےغروب ہونے سے پہلے اللہ کی تسبیح کرو۔''

اس حدیث کے ایک راوی اسماعیل فرماتے ہیں:

''اِفْعَلُوْا فَلَا تَفُوْتَنَّكُمْ''[1]

''یہ کام کرگزرو کہ یہ نمازیں فوت نہ ہونے پائیں۔''

فضیلتِ عصر وفجر کے اسباب:

صحیح مسلم اور سُنن نسائی میں حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مخمص نامی جگہ پر عصر کی نماز پڑھائی اورفرمایا:

«اِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ عُـرِضَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُم فَضَيَّعُوْهَا، فَمَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَ لَهٗ أَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَهَا حَتّٰى يَطْلُعَ الشَّاهِدُ»[2]

''یہ نماز تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کی گئی، مگر انھوں نے اسے ضائع کر دیا۔ پس جس نے اس کی نگہداشت کی اُسے دوہرا اجر ملے گا اور اس کے بعد ستارہ نکلنے (غروبِ آفتاب) تک کوئی (نفلی) نماز نہیں ہے۔''

اِس حدیث میں نمازِ عصر کی فضیلت کا سبب بھی آ گیا ہے، جبکہ ایک دوسری حدیث میں نمازِ فجر وعصر دونوں کی فضیلت ومحافظت کا ایک اور سبب بھی مذکور ہے کہ ان نمازوں کی محافظت کرنے والوں کے لیے فرشتوں کی اللہ کے حضور گواہی ہے، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، سنن نسائی، صحیح ابن خزیمہ، السنۃ لابن ابی عاصم اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

[1] صحيح البخاري مع الفتح، رقم الحديث (٥٥٤)

[2] صحيح مسلم (٣/ ٦/ ١١٣) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٠٧) صحيح الجامع (٣/ ٦/ ٢٦١)

بیان کرتے ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«يَتَعَاقَبُوْنَ فِيْكُمْ مَلَآئِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَآئِكَةٌ بِالنَّهَارِ بَجْتَمِعُوْنَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِيْنَ بَاُتوا فِيْكُمْ، فَيَسْئَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ: كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ؟»

''(تمھارا نامہ اعمال لکھنے والے) فرشتے دن اور رات کو بدلتے رہتے ہیں، جبکہ نمازِ فجر اور عصر کے وقت دن اور رات والے فرشتے سب ہی اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ پھر جن فرشتوں نے تمھارے مابین رات گزاری ہوتی ہے، وہ آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے، حالانکہ وہ خود زیادہ جاننے والا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے؟''

تو فرشتے کہتے ہیں:

«تَرَكْنَا هُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ»[1]

''ہم نے انھیں اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان لوگوں کے پاس گئے تھے تو بھی وہ نماز ہی پڑھ رہے تھے۔''

سبحان اللہ! فجر و عصر کی پابندی پر مومن کے لیے فرشتوں کی یہ گواہی کیا شان لیے ہوئے ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يُحَافِظُوْنَ عَلَيْهَا وَ عَلٰى الْأُخْرٰى. آمِيْنَ.

محافظتِ فجر وعشا:

بعض احادیث ایسی بھی ہیں، جن میں صرف فجر اور بعض میں فجر کے ساتھ ہی عشا کا ذکر آیا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری شریف اور سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[1] صحيح البخاري (٢/ ٣٣) صحيح مسلم (٣/ ٨/ ١٣٣) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٤٧١) صحيح الجامع (٣/ ٦/ ٣١٨)

«تَفۡضُلُ صَلَاةُ الۡجَمۡعِ صَلَاةَ أَحَدِكُم وَحۡدَهٗ بِخَمۡسٍ وَّعِشۡرِيۡنَ جُزۡءًا وَتَجۡتَمِع مَلَآئِكَةُ اللَّيۡلِ وَالنَّهَارِ فِيۡ صَلَاةِ الۡفَجۡرِ»

''تم میں سے کسی اکیلے کے نماز پڑھنے سے نمازِ باجماعت کا ثواب پچیس (۲۵) حصے زیادہ ہے اور نمازِ فجر میں رات اور دن کے (نامہ اعمال لکھنے والے) فرشتے جمع ہوتے ہیں۔''

پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چاہو تو سورۃ الاسراء (بنی اسرائیل) کی آیت (۷۸) پڑھ لو، (جس میں ارشادِ الٰہی ہے):

﴿ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ كَانَ مَشۡهُوۡدًا ﴾[1]

''بے شک فجر کے وقت قرآن پڑھنے پر (اللہ کے فرشتے) گواہ بنتے ہیں۔''

صحیح مسلم اور مسند احمد میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا:

«مَنۡ صَلَّى الۡعِشَاءَ فِيۡ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّهٗ قَامَ نِصۡفَ اللَّيۡلِ، وَ مَنۡ صَلَّى الصُّبۡحَ فِيۡ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّهٗ صَلَّى اللَّيۡلَ كُلَّهٗ»[2]

''جس نے نمازِ عشا باجماعت ادا کی، اس نے گویا نصف رات قیام کیا اور جس نے فجر کی نماز بھی جماعت سے پڑھی تو اس نے گویا ساری رات ہی نماز میں گزار دی۔''

سنن ابو داود و ترمذی میں بھی حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري (٢/ ١٣٧) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٤٧٦) صحيح الجامع (٢/ ٣/ ٤٩)

[2] مختصر صحيح مسلم للمنذري، رقم الحديث (٣٢٤) صحيح الجامع (٣/ ٥/ ١٣٢)

«مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ كَانَ كَقِيَامِ نِصْفِ لَيْلَةٍ، وَمَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ وَ الْفَجْرَ كَانَ كَقِيَامِ لَيْلَةٍ»[1]

''جس نے نمازِ عشا باجماعت ادا کی، اس نے گویا آدھی رات قیام کیا اور جس نے نمازِ فجر و عشا دونوں جماعت سے پڑھ لیں، اس نے گویا پوری رات ہی قیام میں گزار دی۔''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَيْسَ صَلَاةٌ أَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ، وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَأَ تَوْهُمَا وَلَوْ حَبْواً»[2]

''منافقین پر نمازِ فجر و عشا سے بھاری کوئی نماز نہیں۔ اگر انھیں معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نمازوں میں کتنا اجر ہے تو پھر یہ ضرور آئیں، چاہے انھیں گھٹنوں کے بل گھسٹ کر ہی کیوں نہ آنا پڑے۔''

ایسے ہی صحیح بخاری و مسلم، سنن نسائی، موطا امام مالک اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَ الصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْا اِلَّا أَنْ يَّسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوْا، وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي التَّهْجِيْرِ لَاسْتَبَقُوْا لَهٗ، وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَ الصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْواً»[3]

---

[1] صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٥١٩) صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (١٨٣) صحيح الجامع (٣/ ٣١٣)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٥٧) صحيح مسلم (٥/ ١٥٤) و المشكاة مع المرعاة (٢/ ٢٨)

[3] صحيح البخاري (٢/ ٩٦) مختصر صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٨) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٢٦) صحيح الجامع (٥/ ٧٩)

’’اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان کہنے اور صفِ اوّل میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے میں کس قدر اجر و ثواب ہے، تو پھر انھیں اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہے کہ ان میں اپنی باری مقرر کرنے کے لیے وہ قرعہ اندازی کیا کریں اور اگر انھیں (نمازِ ظہر کے لیے) مسجد میں بروقت جانے کے ثواب کا پتا چل جائے تو ضرور پہل کر جایا کریں اور اگر انھیں نمازِ عشا و فجر کے فضائل و برکات کا صحیح اندازہ ہو جائے تو وہاں دونوں نمازوں میں ضرور شریک ہوا کریں، چاہے انھیں گھٹنوں (سرینوں) کے بَل گھسٹ کر ہی کیوں نہ آنا پڑے۔‘‘

اسی طرح ہی مگر قدرے مختصر الفاظ سے سنن ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي صَلَاةِ الْعِشَاءِ وَ صَلَاةِ الْفَجْرِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْواً»[1]

’’اگر لوگوں کو نمازِ عشا اور فجر کے ثواب کا علم ہو جائے تو وہ ان نمازوں میں ضرور شامل ہوں، چاہے کولہوں (گھٹنوں) کے بل گھسٹتے ہی کیوں نہ آئیں۔‘‘

نمازِ فجر کی عمومی فضیلت کے علاوہ جمعہ کے دن فجر کا خصوصی مقام بتایا گیا ہے، حتیٰ کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے با جماعت ادا کرنے کی شکل میں تمام نمازوں سے افضل قرار دیا ہے، جیسا کہ شعب الایمان بیہقی اور حلیۃ الاولیاء ابونعیم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَفْضَلُ الصَّلَوَاتِ عِنْدَ اللّٰهِ صَلَاةُ الصُّبْحِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي جَمَاعَةٍ»[2]

---

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٧٩٦) صحيح الجامع (٥/ ٧٩)

[2] صحيح الجامع (١/ ١/ ٣٦٦)

''اللہ کے نزدیک تمام نمازوں سے افضل ترین نماز، جمعہ کے دن باجماعت ادا کی گئی نمازِ فجر ہے۔''

بروز جمعہ نمازِ فجر کو باجماعت ادا کرنے کے افضل ترین نماز ہونے کی وجہ بڑی واضح سی ہے کہ بعض احادیث (جن میں سے بعض ''نمازِ جمعہ'' کے احکام و مسائل اور آداب پر مشتمل اپنی کتاب میں ہم ذکر کر چکے ہیں، جہاں وضاحت بھی قدرے زیادہ ہے) کے پیشِ نظر اس رات کو لوگ عموماً عام دنوں کی نسبت ازدواجی معاملات میں زیادہ وقت دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں صبح کی نماز رہ جانے کا زیادہ خدشہ ہوتا ہے، لہٰذا جو شخص ازدواجی ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہو اور صبح ہونے پر نمازِ فجر بھی باجماعت ادا کرے تو ایسی نماز کو یقیناً دوسری نمازوں سے افضل ہونا ہی چاہیے۔ آج اکثر عربی و اسلامی ممالک میں جمعہ کے دن کو ہفتہ وار چھٹی ہوتی ہے۔ اس لیے بھی لوگ رات کو زیادہ جاگ لیتے ہیں کہ چلو صبح چھٹی ہے، سو لیں گے۔ نتیجتاً فجر کے رہ جانے کا بھی امکان زیادہ ہو جاتا ہے۔

نمازِ فجر و عشا کی اہمیت کا اندازہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی اس ارشاد سے بھی لگایا جا سکتا ہے، جو صحیح ابن خزیمہ، مسند بزار اور معجم طبرانی میں ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

''كُنَّا اِذَا فَقَدْنَا الرَّجُلَ فِي الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ أَسَأْنَا بِهِ الظَّنَّ''[1]

''جب ہم کسی شخص کو نمازِ فجر اور عشا سے غائب پاتے تو اس کے بارے میں (نفاق میں مبتلا ہونے) کا بُرا گمان کرتے تھے۔''

ان تمام احادیث میں نمازِ فجر و عشا پر محافظت و پابندی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی اثر میں یہ بتایا گیا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک نمازِ عشا و فجر سے غائب رہنے والے شخص کا ایمان مشکوک ہو جاتا تھا اور وہ اس کے بارے

[1] كتاب الصلاة لعبد الملك (ص: ٢٢٣)

میں بدظن ہو جاتے تھے کہ کہیں وہ منافق تو نہیں ہو گیا۔

نمازِ ظہر کی فضیلت اور اس پر محافظت:

مذکورہ احادیث میں جس طرح نمازِ فجر وعشا اور عصر پر محافظت کی مذکورہ احادیث میں تاکید آئی ہے، ایسے ہی صحیح بخاری ومسلم، سنن نسائی، موطا امام مالک اور مسند احمد میں مروی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ ظہر کی محافظت کی بھی ترغیب دلائی اور اُسے اوّل وقت میں ادا کرنے پر ثواب کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿... وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِی التَّھْجِیْرِ لَاسْتَبَقُوْا إِلَیْهِ﴾[1]

''اگر ان لوگوں کو نمازِ ظہر بر وقت ادا کرنے کے اجر وثواب کا پتا چل جائے تو وہ ضرور اس کی طرف بھاگے بھاگے آئیں اور ایک دوسرے پر سبقت کرنے لگیں۔''

نمازِ مغرب کی فضیلت اور اس پر محافظت:

سابق میں چار نمازوں کی فضیلت اور ان پر محافظت کے سلسلے میں متعدد احادیث آ گئی ہیں۔ پانچویں نماز ہے نمازِ مغرب۔ خاص نمازِ مغرب کے نام سے مطلق تو ہمیں کوئی حدیث نہیں ملی، جس میں اس کی فضیلت اور اس پر محافظت کا ذکر ہو۔ البتہ بعض مطلق احادیث میں فرض نمازوں کو بروقت ادا کرنا اور محافظت کا ذکر آیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ نمازِ مغرب بھی ان میں شامل ہے۔ دو ٹھنڈی نمازوں کی فضیلت صحیح بخاری ومسلم کی ایک حدیث میں آئی ہے اور ان ٹھنڈی نمازوں میں سے ایک اس نمازِ مغرب کو بھی شمار کیا گیا ہے، چنانچہ صحیحین میں حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَنْ صَلَّی الْبَرْدَیْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ﴾[2]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦١٥) صحيح مسلم مع شرح النووي (٤/ ١٥٧) صحيح سنن النسائي، رقم الحديث (٥٢٦) صحيح الجامع (٥/ ٧٩)

[2] صحيح البخاري (٢/ ٥٢) صحيح مسلم (٣/ ٥/ ١٣٥) صحيح الجامع (٣/ ٥/ ٣١١)

''جس نے دو ٹھنڈی نمازیں پابندی سے ادا کیں، وہ جنت میں داخل ہو گیا۔''

اِن دونوں نمازوں سے مراد تو فجر اور عصر ہیں اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ان دونوں کے نام بھی وارد ہوئے ہیں۔ البتہ حضرت ابو عبید رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ نمازِ مغرب بھی اس میں داخل ہے۔ ویسے تو نمازِ عشا وقت کے لحاظ سے اس سے بھی ٹھنڈی ہوتی ہے، مگر اُسے کسی نے اس حدیث میں داخل نہیں کیا، کیونکہ وہ رات کی نماز شمار ہوتی ہے، جب کہ ٹھنڈی نمازوں کو دن کی نمازیں کہا گیا ہے، جیسا کہ امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عصر و فجر کو ٹھنڈی نمازیں اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ دونوں دن کے ٹھنڈے اوقات میں ادا کی جاتی ہیں، جو اس کے اطراف یعنی آغاز و اختتام ہیں۔ جب طلوعِ آفتاب سے پہلے پڑھی جانے والی نماز کو آغاز شمار کر لیا گیا ہے تو مغرب کو اختتامِ دن کی نماز شمار کیا جا سکتا ہے۔ ابو عبید رحمہ اللہ نے غالباً اسی وجہ سے نمازِ مغرب کو اس حدیث میں داخل قرار دیا ہے۔[1]

جب کہ بعض دیگر احادیث سے بھی نمازِ مغرب کی فضیلت اَخذ کی جاسکتی ہے، جو اگرچہ نمازِ مغرب کے ساتھ تو خاص نہیں، بلکہ نمازِ پنج گانہ سے متعلق ہیں، لیکن چونکہ یہ بھی نمازِ پنج گانہ میں سے ایک ہے، لہٰذا یہ بھی اس فضیلت کی حامل ہے جو احادیث میں وارد ہے، جیسا کہ ان احادیث میں سے بعض ہم آگے ذکر کرنے والے ہیں۔

[1] فتح الباري (٢/ ٥٣)

